مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

ایم۔اے اردو

سمسٹر دوم

مضمون: اردو داستان — یونٹ: I - IV

کورس نمبر: 203 — سبق: 1-16

پروفیسر (ڈاکٹر) شہاب عنایت ملک
کورس کوآرڈی نیٹر، ایم اے اردو، سی، ڈی، او، ای
صدر شعبہ اردو، جموں یونیورسٹی، جموں

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ
انچارج ٹیچر، اردو
سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں

© جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ اس کتاب کا کوئی حصہ کسی شکل میں جموں یونیورسٹی کی تحریری اجازت کے بغیر شائع نہ کیا جائے۔

زیر اہتمام مرکز برائے فاصلاتی و آنلائن تعلیم، یونیورسٹی آف جموں، جموں

مضمون نگار:

پروفیسر محمد ریاض احمد

(پروفیسر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی، جموں)

اڈیٹنگ/ پروف ریڈنگ:

ڈاکٹر پرشوتم پال سنگھ

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، سی، ڈی، او، ای، جموں یونیورسٹی، جموں۔

نظر ثانی:۔

پروفیسر محمد ریاض احمد

(پروفیسر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی، جموں)

استقبالیہ پیغام

عزیز مُتَعلّم

سمسٹر دوم کے کورس "اردو داستان" میں آپ کا خیر مقدم ہے۔

یہ کورس اردو داستان کی روایت، اس کے آغاز وارتقا اور مختلف ادبی پہلوؤں کے مطالعے کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔ اس کے ذریعے آپ داستان کے مفہوم، اس کی فنی خصوصیات، اہم داستانوں اور نامور داستان نگاروں سے واقف ہوں گے۔ اردو داستان ہماری ادبی روایت کا ایک اہم حصہ ہے جس میں تخیل، مہم جوئی، کردار نگاری اور زبان و بیان کی دلکشی نمایاں طور پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اس کے مطالعے سے نہ صرف اردو ادب کی کلاسیکی روایت کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے بلکہ زبان و بیان کی وسعت اور ادبی ذوق میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس کورس کا سنجیدگی، دلچسپی اور شوق کے ساتھ مطالعہ کریں گے اور اردو داستان کی فنی و ادبی جہات سے بھرپور استفادہ حاصل کریں گے۔

آپ کی علمی اور ادبی کامیابی کے لیے نیک تمناؤں کے ساتھ۔

ڈاکٹر پی پی سنگھ۔ اسسٹنٹ پروفیسر، اردو

مرکز برائے فاصلاتی و آن لائن تعلیم۔ یونیورسٹی آف جموں، جموں

Syllabus and Courses of Study in the Subject of Urdu under NON-CBCS Scheme (CDOE)

SEMESTER-II

COURSE CODE URD-203

Examination to be held in May 2026,2027 and 2028

Title :-Study of classical fiction اردوداستان

Duration of Examination :-2:30 hours

Credits:-4

Maximum Marks :- 100

(a) Semester Exam :70

(b)Internal assessment :30

Objectives:-

The course intends to acquaint the students with the beginning and development of dastan in Urdu literature besides including in them a taste for reading and appreciating the same in a manner as it ought to be done.

UNIT-1

۱۔ داستان:تعریف اوراقسام

۲۔ داستان۔آغاز وارتقاء

۳۔ داستان کافن

۴۔ اردونثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ

UNIT-II

۱۔ دکن میں اردوداستان کی روایت

۲۔ ملاوجہی بحیثیت داستان نگار

۳۔ سب رس۔متن کی تدریس

(آغاز داستان زبان ہندوستان تا القصہ اگر تج میں کچھ زور اچھے گا تج سوں صلح پر ہوے گا راضی)

۴۔ سب رس کا تنقیدی جائزہ

UNIT-III

۱۔ شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقا

۲۔ میرامن بحیثیت داستان نگار

۳۔ باغ وبہار۔متن کی تدریس (شروع قصہ کا تا سرگزشت آزاد بخت بادشاہ کی)

۴۔ سب رس کا تنقیدی جائزہ

UNIT-IV

۱۔ رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار

۲۔ فسانہ عجائب۔متن کی تدریس (آغاز داستان سلطان فیروز بخت کی تارہا ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے)

۳۔ فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ

۴۔ لکھنؤ کی داستان کی خصوصیت

Internal Assessment carry 30% marks in each course .The format of the Internal Assessment Assignments is given below:

There will be two Internal Assessments.

ASSIGNMENT 1: Long Answer Questions
Out of the two questions Given, the learner hass to attempt any one question in 800-1000 words. (15X1=15 marks)

Assignment 2: Short Answer Questions
There will be two questions, the learner has to attempt all the two questions. Words Limt 350-450 words.

ASSIGNMENT 1:Long Answer Questions
Two questions : one each from unit 1 and unit 11 shall be given.And the learner has to attempt any one question in 800-1000 words.

Assignment 2;Short Answer Questions.
Three questions;one each from unit III,unit IV shall be given. And the learner has to attemt ant two

questions one from unit III, Unit IV and one from Unit V in 350-450 words.

Mode of examination:-

There are four units in the course No:-203

Mode of the examination:-The term and examination shall carry 70%marks in each course.The format of the question paper is given below.

Term End Examination would be of 70marks.Two short type questions from unit I and II having 7marks each be asked.Two descriptive type questions from unit III and IV of 14marks each be asked .Two short type questions from unit III and IV having 7marks each be asked.14objectives type questions of 14 marks carrying 1 mark each be also asked from unit III and IV.There shall be choice in short and descriptive type questions.

امدادی کتب۔:Books Prescribed

۱۔ سب رس۔از ملا وجہی۔مرتب نسیم انہونوی،نسیم بک ڈپو لکھنو

۲۔ سب رس۔اس ملا وجہی۔مرتبہ ڈاکٹر قمر الہدی۔ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ

۳۔ باغ وبہار،از میر امن۔مرتبہ رشید حسن خان۔مکتبہ جامعہ دہلی

۴۔ باغ وبہار،از میر امن۔مرتبہ ڈاکٹر قمر الہدی فریدی۔ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ

۵۔ فسانہ عجائب از رجب علی بیگ سرور۔مرتب رشید حسن خان۔انجمن ترقی اردو(ہند) نئی دہلی

حوالہ جاتی کتب:Books Recommended

۱۔ اردو میں فن داستان گوئی۔کلیم الدین احمد

۲۔ اردو کی نثری داستانیں۔ڈاکٹر گیان چند جین

۳۔ ہماری داستانیں۔وقار عظیم

۴۔ اردو میں تمثیل نگاری۔ڈاکٹر منظر اعظمی

۵۔ رجب علی بیگ سرور۔ڈاکٹر نیر مسعود

۶۔ باغ وبہار ایک تنقیدی مطالعہ۔ڈاکٹر سہیل بخاری

۷۔ فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ۔ضمیر حسن

۸۔ داستان سے ناول تک۔ پروفیسر ابن کنول

۹۔ کلاسیکی نثر کے اسالیب۔ڈاکٹر آفتاب احمد آفاقی

۱۰۔ دکنی نثر کا انتخاب (دوسرا ایڈیشن ۱۹۹۷ء)۔ڈاکٹر سیدہ جعفر۔ناشر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نئی دہلی

فہرست

سبق نمبر:۱۔ داستان: تعریف اور اقسام ________ 07

سبق نمبر:۲۔ داستان۔ آغاز وارتقاء ________ 15

سبق نمبر:۳۔ داستان کا فن ________ 26

سبق نمبر:۴۔ اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ ________ 35

سبق نمبر:۵۔ دکن میں اردو داستان کی روایت ________ 44

سبق نمبر۶۔ ملاوجہی بحیثیت داستان نگار ________ 51

سبق نمبر۷۔ سب رس۔ متن کی تدریس (آغاز داستان زبان ہندوستان تاالقصہ اگرتج میں
کچھ زوراچھے گاتج سوں صلح پر ہوے گا راضی) ________ 61

سبق نمبر۸۔ سب رس کا تنقیدی جائزہ ________ 74

سبق نمبر۹۔ شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقا ________ 84

سبق نمبر۱۰۔ میر امن بحیثیت داستان نگار ________ 93

سبق نمبر۱۱۔ باغ و بہار۔ متن کی تدریس (شروع قصہ کا تا سرگزشت آزاد بخت بادشاہ کی) ________ 101

سبق نمبر۱۲۔ سب رس کا تنقیدی جائزہ ________ 116

سبق نمبر۱۳۔ رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار ________ 126

سبق نمبر۱۴۔ فسانۂ عجائب۔متن کی تدریس (آغاز داستان سلطان فیروز بخت کی تاراج ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے) ________ 135

سبق نمبر۱۵۔ فسانۂ عجائب کا تنقیدی مطالعہ ________ 146

سبق نمبر۱۶۔ لکھنؤ کی داستان کی خصوصیت ________ 155

سبق نمبر:ا:۔ داستان کی تعریف اور اقسام

ساخت:۔

1.0 اغراض ومقاصد

1.1 تعارف

1.2 داستان کی تعریف

1.3 داستان کی اقسام

1.4 عمومی جائزہ

1.5 فرہنگ

1.6 نمونہ امتحانی سوالات

1.7 مشقی سوالات

1.8 جوابات سرگرمی/مشقی سوالات کے جوابات

1.9 امدادی کتب

1.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:

داستان کی تعریف اور اس کی بنیادی خصوصیات سیکھیں گے۔

اردو داستان کے مختلف ماخذ اور روایتوں کے بارے میں جانیں گے۔

داستان کی اقسام اور ان کی مثالوں کو سمجھیں گے۔

اردو ادب میں داستان کی اہمیت اور اس کے ادبی کردار سے واقف ہوں گے۔

1.1۔تعارف:۔

داستان دورِ قدیم سے اپنا وجود منوائے ہوئے ہے اور آج بھی کسی نہ کسی شکل میں قائم ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اب داستان لکھنے یا سننے کا وقت کسی کے پاس نہیں ہے لیکن پھر بھی کسی نہ کسی صورت میں داستان موجود ہے۔ ایسا مانا جاتا ہے کہ انسان نے جب اشاروں کنایوں، علامتوں کو لفظوں کا جامہ پہنایا تو دن بھر کی روداد سنانے کے لیے وہ آگ جلا کر اس کے چاروں طرف بیٹھ جاتے اور دن بھر کے واقعات کو بیان کرتے تھے کہ کس طرح انہوں نے جانور کا شکار کیا یا کس طرح جانور نے ان پر حملہ کیا۔ یہ داستان یا کہانی کی پہلی صورت کہی جا سکتی ہے۔ ہزاروں سال پرانی غاروں سے کچھ ایسی ہی تصاویر دیکھنے کو ملی ہیں۔ جب تہذیبوں کا ارتقا ہوا اور انسان جنگل سے نکل کر مکانوں میں رہنے لگا اور ان میں سے جو سب سے طاقتور سردار تھے انہوں نے اپنے لیے محل تعمیر کروائے۔ پھر انہوں نے داستان سنانے کے لیے داستان گو کو اپنے محلوں میں جگہ دی ہوگی اور اس طرح ان داستان نویسوں نے شوکت الفاظ کا سہارا لیتے ہوئے بادشاہ کی آن بان شان کا بیان کرتے ہوئے داستانیں لکھیں جو عوام میں بہت مقبول ہوئیں۔ داستان گو کی کفالت حاکم وقت کیا کرتے تھے ایسے میں داستان کو پھلنے پھولنے کے لیے اچھی فضا بھی میسر آئی اور عام طور پر داستان کی جائے وقوع شاہی محل، دریا، جنگل، بیابان ہوا کرتے تھے۔ دلکش بیانیہ اور الفاظ کے ذخیروں کا استعمال کرتے ہوئے داستان گو سامعین کو اپنی زبان دانی سے مرغوب کر لیا کرتے تھے۔ پیش کی جانے والی منظر نگاری آنکھوں میں سحر پیدا کر دیتی تھی۔ عشق و محبت کی چاشنی سامعین کو انوکھی دنیا میں لے جاتی تھی۔ درس و اخلاق کی باتیں سامعین اطمینان سے سنا کرتے تھے۔ داستان کے بیان کرنے کی خوبی یہی تھی کہ اس کے لیے داستان گو کو معقول اجرت ملتی تھی۔ کم از کم اردو زبان میں کوئی بھی داستان ایسی نہیں ملتی جس میں کسی بادشاہ یا امیر کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔ داستان بہت سی اصناف کی طرح فارسی سے اردو میں آئی۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے داستان کی تعریف اور اقسام کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 1.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجیے:۔

ا۔داستان اردو نثر کی ایک قدیم اور اہم ۔۔۔۔۔ ہے جس کی بنیاد طویل قصہ گوئی، مہمات، حیرت و تجسس، غیر معمولی واقعات اور تصوراتی فضا پر قائم ہوتی ہے۔

۲۔اس میں انسانی زندگی کو حقیقت اور تخیل کے ۔۔۔۔۔ کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کی دلچسپی مسلسل برقرار رہے۔

۳۔داستان کا بیانیہ عموماً پھیلا ہوا، کردار مثالی، واقعات غیر معمولی اور فضا طلسماتی و رومانوی ہوتی ہے، جب کہ مبالغہ، مافوق الفطرت عناصر اور مسلسل واقعاتی تسلسل اس کی نمایاں ۔۔۔۔۔۔ ہیں۔

۴۔اردو میں داستانی روایت مختلف تہذیبی اور ادبی سرچشموں سے پروان چڑھی، جس کے نتیجے میں اس کی چار بڑی قسمیں سامنے آئیں: ہندوستانی روایت کی داستانیں، عربی و ایرانی ماخذ سے ماخوذ داستانیں، فارسی اثرات کی حامل داستانیں اور خالص اردو میں لکھی گئی ۔۔۔۔ رنگ کی داستانیں۔

1.2۔داستان کی تعریف:۔

داستان اس طویل قصے کو کہتے ہیں جس میں کہانی میں سے کہانی پھوٹتی ہے اور اس میں مافوق الفطرت عناصر کی بھرمار ہوتی ہے۔دور حاضر میں ان قصوں پر یقین نہیں آتا لیکن پرانے زمانے میں یہی قصے لوگوں کی تفریح طبع کا ذریعہ تھے اور لوگ داستان پڑھنے کے بجائے داستان کو سننا زیادہ پسند کرتے تھے اس لیے داستان کو بیانیہ صنف کہا جاتا ہے کیوں کہ داستان کی کامیابی کا سارا دارومدار داستان گو کے بیان کرنے کے ہنر پر مبنی ہوتا تھا۔علاوہ ازیں داستان میں ایسے ایسے قصوں کو بیان کیا جاتا تھا جن سے سننے والے مبہوت ہو کر رہ جاتے تھے۔ ہیرو مصیبت میں

پھنسنے کے بعد آخر کار مصیبتوں سے نکل بھی آتا تھا اور لوگ اس پر ہکا بکا رہ جاتے۔ اس تجسس اور پراسراریت کے علاوہ داستان میں عشق ومحبت کا ماحول اور یہاں تک کہ جنسی معاملات تک کا بیان پڑھنے کو مل جاتا ہے۔ اردو میں داستان سے ملتی جلتی شاعری کی ایک صنف مثنوی ہے جس میں عام طور داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ اردو میں یہ منظوم داستانیں بھی خاصی مشہور ومقبول ہوئیں اور ان کو نثر میں بھی منتقل کیا جاتا رہا ہے۔ قطب مشتری، پھول بن، سحر البیان اور گلزار نسیم وغیرہ اردو ادب کی وہ اہم مثنویاں ہیں جن میں داستانیں بیان کی گئی ہیں۔ داستان گوئی کا زمانہ گزرنے کے بعد لوگ داستان کو پڑھنے میں دلچسپی رکھنے لگے لیکن یہ سلسلہ بھی دراز نہ ہو سکا کیوں کہ پھر ناول کا زمانہ آ گیا اور ناول داستان کے مقابلے خاصے کم ضخامت کے ہوتے ہیں۔

داستان کی تعریف کو سمجھنے کے لیے اس کا ایک Stereotype Pattern ہے جس کو باسانی سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں ایک طویل قصہ ہوتا ہے جو چھوٹی چھوٹی مختلف کہانیوں سے مل کر بنا ہوتا ہے۔ اس میں کوئی بادشاہ، امیر یا راجا ہوتا ہے جس کا انصاف اور سخاوت بہت مشہور ہوتا ہے۔ اس کے بزرگوں نے جو سلطنت قائم کی ہوتی ہے وہ اسے مزید ترقی دیتا ہے اور رعایا میں کوئی بھی پریشان حال نہیں ہوتا ہے۔ بادشاہ کی بہادری کی دھاک چاروں طرف ایسی جمی ہوئی ہوتی ہے کہ اس کے دشمن اس سے جنگ کرنے کے بارے میں سوچتے بھی نہیں ہیں۔ بادشاہ کو صرف ایک ہی غم ہوتا ہے کہ اس کے کوئی اولاد نہیں اور وہ اسی غم میں گھلا جاتا ہے۔ ایسی حالت میں وہ یا تو حکومت کو ترک کر کے جنگل کا رخ کرتا ہے یا پھر دربار نہ جا کر اپنے حجرے سے ہی ضروری احکامات جاری کرتا ہے اور کسی سے بھی نہیں ملتا ہے۔ جب بادشاہ کے درباری اور وزیر فکر مند ہو کر بادشاہ کے پاس پنڈت، نجومی اور دیگر اہل علم کو لاتے ہیں تاکہ وہ بادشاہ کے لاولد ہونے کے غم کا مداوا کر سکیں اور کچھ تدابیر پیش کر سکیں۔ پھر کسی ایک نجومی کے کہنے پر بادشاہ کو یہ بتایا جاتا ہے کہ فلاں وقت میں بادشاہ کے یہاں شہزادے کی پیدائش ہوگی۔ وہ شہزادہ یوں تو ہر علم و ہنر میں طاق ہوگا لیکن عمر کے ایک خاص حصے میں کہ جب وہ عنفوان شباب پر ہوگا تب کوئی پری زاد یا جنوں کی ملکہ یا شہزادی اس پر فریفتہ ہوگی اور اسے ہر قیمت پر حاصل کرنے کی کوشش کرے گی۔ اس خاص عمر میں اس کی حفاظت سخت پہرے میں کرنی ہوگی۔ نہ جانے کیسے تاریخ کے حساب میں چوک ہو جاتی ہے اور شہزادے کو پری اٹھالے جاتی ہے۔ اس کے بعد شہزادے کی کمزوریوں کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ شہزادہ جو علم و ہنر میں ماہر ہوتا ہے، وہ خود کو بہت کمزور محسوس کرتا ہے اور رات دن روتا ہی رہتا ہے۔ پھر وہ مشکل کشا کو یاد کرتا ہے۔ تب کہیں جا کر اس کی مدد ہوتی ہے۔ وہ قید سے آزاد ہو کر ایک ایسی شہزادی کے عشق میں گرفتار ہوتا ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لیے تمام تکالیف اٹھانی پڑتی ہیں۔ جنگ کرتا ہوا اور تمام مصائب اور آفات سے مقابلہ کرتا ہوا آخر کار وہ اپنی سلطنت میں پہنچتا ہے۔ جہاں اس کے والد اور پوری رعایا پلکیں بچھائے اس کا انتظار کر رہے ہوتے

ہیں۔ بوڑھے بادشاہ کی آنکھوں میں نور لوٹ آتا ہے جو کہ بیٹے کے گم ہونے کی وجہ سے روتے روتے پتھرا گئی ہوتی ہیں۔اس کے ساتھ اپنی منکوحہ بیوی ہوتی ہے یا پھر جنگ سے پہلے جس سے نکاح کا وعدہ کرتا ہے تو اسے بڑی شان وشوکت کے ساتھ پورا کرتا ہے۔ ہر جگہ امن وامان اور محبت کا بول بالا ہو جاتا ہے اور سب خوشی سے رہنے لگتے ہیں۔

1.3۔داستان کی قسمیں:۔

ابتدا میں اردو میں منظوم داستانیں لکھی گئیں، جن میں الف لیلیٰ، گلشن عشق، قطب مشتری وغیرہ شامل ہیں۔ بعد میں نثری داستانوں کو فروغ حاصل ہوا اور نثری داستانوں کی درج ذیل چار بڑی قسمیں بیان کی جاتی ہیں:

پہلی قسم:۔وہ داستانیں جو اصل کے اعتبار سے سنسکرت (ہندی یا ہندوستانی) روایت سے تعلق رکھتی ہیں۔ان میں عجائب وغرائب، طلسم، جادو، عیاریاں، دیو، پریاں اور غیر معمولی واقعات کی کثرت ہوتی ہے۔ قصے طویل اور پھیلے ہوئے ہوتے ہیں اور تجسس وحیرت پیدا کرنا ان کا بنیادی مقصد ہوتا ہے۔مثال کے طور پر:۔ بیتال پچیسی، سنگھاسن بتیسی، گل بکاؤلی، طوطا کہانی وغیرہ۔

دوسری قسم:۔وہ داستانیں جو عربی اور ایرانی زبانوں سے اردو میں آئیں اور زیادہ تر ترجمہ یا تلخیص کے ذریعے مقبول ہوئیں۔ چونکہ مسلمانوں کا عرب وایران کی ادبی روایت سے گہرا تعلق رہا ہے، اس لیے ان داستانوں میں وہاں کی تہذیب اور قصہ گوئی کا رنگ نمایاں ہے۔ جیسے: الف لیلہ، قصہ چہار درویش، سب رس وغیرہ۔

تیسری قسم:۔وہ داستانیں جو ہندوستان میں لکھی گئیں لیکن ان پر فارسی داستانی روایت کا گہرا اثر ہے۔ان میں طویل بیانیہ، مہمات، غیر معمولی کردار اور داستانی فضا نمایاں ہوتی ہے۔مثالیں: داستانِ امیر حمزہ، طلسمِ ہوش ربا وغیرہ۔

چوتھی قسم:۔وہ داستانیں جو خالص اردو میں لکھی گئیں اور جن میں مقامی معاشرت اور ماحول کی جھلک ملتی ہے۔ان کی زبان نسبتاً سادہ اور انداز زیادہ فطری ہوتا ہے۔مثالیں: باغ وبہار، فسانہ آزاد وغیرہ۔

1.4۔عمومی جائزہ:۔

داستان اردو نثر کی ایک قدیم اور اہم صنف ہے جس کی بنیاد طویل قصہ گوئی، مہمات، حیرت وتجسس، غیر معمولی واقعات اور تصوراتی فضا پر قائم ہوتی ہے۔اس میں انسانی زندگی کو حقیقت اور تخیل کے امتزاج کے ساتھ اس انداز میں پیش کیا جاتا ہے کہ قاری کی دلچسپی مسلسل برقرار

رہے۔داستان کا بیانیہ عموماً پھیلا ہوا، کردار مثالی، واقعات غیر معمولی اور فضا طلسماتی ورومانوی ہوتی ہے، جب کہ مبالغہ، مافوق الفطرت عناصر اور مسلسل واقعاتی تسلسل اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔اردو میں داستانی روایت مختلف تہذیبی اور ادبی سرچشموں سے پروان چڑھی، جس کے نتیجے میں اس کی چار بڑی قسمیں سامنے آئیں: ہندوستانی روایت کی داستانیں، عربی و ایرانی ماخذ سے ماخوذ داستانیں، فارسی اثرات کی حامل داستانیں اور خالص اردو میں لکھی گئی مقامی رنگ کی داستانیں۔ان تمام اقسام سے واضح ہوتا ہے کہ داستان نہ صرف مختلف ثقافتوں کے اثرات کی نمائندہ صنف ہے بلکہ اردو نثر کے ارتقا میں بھی اس نے بنیادی کردار ادا کیا اور بعد میں قصہ، ناول اور دیگر نثری اصناف کے لیے بنیاد فراہم کی۔

1.5 ۔فرہنگ:۔

مصوری	تصویر بنانے کا فن
حکایات	کہانی، قصے
مافوق الفطری عناصر	ماوٗرائے فطرت، فوق العادت
مصائب	مصیبتیں
متحیر	حیرت میں ڈالنے والا
مبہوت	ہیبت زدہ
منظّم	مربوط

1.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال۔۱:۔داستان سے کیا مراد ہے؟ داستان کی تعریف اور اس کی بنیادی خصوصیات بیان کریں۔

سوال۔۲:۔اردو داستان کی اقسام بیان کریں اور ہر قسم کی مثالیں بھی دیں۔

سوال۔۳:۔داستان کی صنف کن مختلف تہذیبی اور ادبی روایتوں کے اثر سے تشکیل پائی؟ وضاحت کریں۔

سوال۔۴:۔داستان کی تعریف اور اقسام کا جامع جائزہ پیش کریں۔

1.7 ۔مشقی سوالات:۔

۱۔ داستان کی دو بنیادی خصوصیات بیان کیجئے ؟

۲۔ اردو داستانوں کی اقسام کس بنیاد پر تقسیم کی گئی ہیں؟

1.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب ۔ا:۔داستان ایک طویل اور مسلسل قصہ ہوتی ہے جس میں مہمات اور واقعات کی کثرت ہوتی ہے۔اس میں طلسم، حیرت انگیز اور غیر معمولی عناصر کے ذریعے تجسس اور دلچسپی پیدا کی جاتی ہے۔

جواب۔۲:۔اردو داستانوں کی اقسام ان کے ماخذ اور تہذیبی اثرات کی بنیاد پر کی گئی ہیں۔اسی لحاظ سے انہیں ہندی، عربی و ایرانی، فارسی اثرات

کی حامل اور خالص اردو داستانوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔

جوابات:۔(ا۔صنف،۲۔امتزاج،۳۔خصوصیات،۴۔مقامی)

1.9۔امدادی کتب:۔

ا۔ فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد
۲۔ اردو داستان (تحقیقی وتنقیدی مطالعہ)	ڈاکٹر سہیل بخاری
۳۔ داستان کی مختصر تاریخ	کیرن آرام سٹرانگ (ترجمہ محمد یحییٰ خان)
۴۔ فورٹ ولیم کالج کی نثری داستانیں (ایک تہذیبی مطالعہ)	ڈاکٹر عفت زریں
۵۔ اردو کی نثری داستانیں	پروفیسر گیان چند جین
۶۔ ہماری داستانیں	وقار عظیم
۷۔ ساحری شاہی صاحب قرانی (چاروں جلدیں)	شمس الرحمٰن فاروقی
۸۔ داستان کا فن	اطہر پرویز
۹۔ اردو کی قدیم داستانیں	ایم حبیب

سبق نمبر۔۲:۔داستان۔آغاز وارتقاء

ساخت:۔

2.0 اغراض ومقاصد
2.1 تعارف
2.2 داستان۔آغاز وارتقاء
2.3 شمالی ہند میں داستان
2.4 عمومی جائزہ
2.5 فرہنگ
2.6 نمونہ امتحانی سوالات
2.7 مشقی سوالات
2.8 مشقی سوالات کے جوابات
2.9 امدادی کتب

2.0 ۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

اردو داستان کے ابتدائی آغاز اور زبانی قصہ گوئی کی روایت کے بارے میں جانیں گے۔

دکن میں اردو داستان کی ابتدا اور ابتدائی تحریری داستانوں کی اہمیت کو سمجھیں گے۔

شمالی ہند میں داستان نگاری کے فروغ اور اس کی وسعت سے آگاہ ہوں گے۔

فورٹ ولیم کالج کے تحت اردو داستان کے ارتقا اور نثر کی ترقی میں اس کے کردار کو سیکھیں گے۔

2.1۔تعارف:۔

قصہ گوئی انسانی جبلت میں شامل ہے۔جنگلوں اور غاروں میں زندگی گزارنے والا ابتدائی دور کا انسان بھی قصہ کہنے اور سننے کا شوق رکھتا تھا۔ابتدا میں یہ قصے انسان کی آپ بیتی ہوا کرتے تھے جو وہ دوسروں کو سناتا تھا اوران کی سرگذشت سنتا تھا۔جیسے جیسے انسان کی فکر میں اس کے عقاید،توہمات،زندگی گزارنے کے مختلف طریقے اور اس کی ذاتی پسند و ناپسند جیسے عناصر شامل ہوتے گئے،ان قصوں کے موضوعات کی رنگارنگی بڑھتی گئی۔ہر زبان میں افسانوی ادب کا ارتقا اسی طرح ہوا ہے۔دراصل کہانی یا قصے کے موضوعات انسانی زندگی کے حالات وکوائف ہی ہیں اس لیے افسانوی ادب میں انسانی زندگی اور اس کے تہذیبی ومعاشرتی مظاہر زیادہ آب وتاب کے ساتھ نظر آتے ہیں۔اردو میں یہ تہذیبی صورتیں قصے کی جس شاخ میں تابندہ وروشن نظر آتی ہیں وہ داستان ہے۔

2.2۔داستان آغاز وارتقاء:۔

حیات اجتماعی کے ابتدائی دنوں میں انسان کی زندگی بے انتہا خطرات میں گھری ہوئی تھی۔رزق کے لیے جانوروں کا شکار کرنا اور اس شکار کے لیے زندگی کو خطرے میں ڈالنا اس کی مجبوری تھی۔بے رحم فطرت کے تمام مظاہر ومناظر اسے گھیرے ہوئے تھے۔موسم کی سختیاں سوہان روح بنی ہوئی تھیں۔ہر طرف درندے اور زہریلے کیڑے مکوڑے اسے اذیت پہنچانے کے لیے موجود تھے۔خود انسان بڑی حد تک بے بس تھا۔ اس کے پاس نہ تو نوکیلے سینگ تھے نہ تیز دانت،نہ زہریلے ناخن تھے اور نہ اڑنے کے لیے پر۔وہ جانوروں کی طرح نہ تیز دوڑ سکتا تھا اور نہ درختوں اور پہاڑوں پر چھلانگ لگا سکتا تھا۔چاروں طرف اسے جو کچھ نظر آتا تھا وہ اسے خوف زدہ بھی کرتا تھا اور حیرت زدہ بھی۔سورج کا جلال اور چاند کا جمال اسے مسحور کرلیا کرتا تھا تو رات کا اندھیرا بجلی کی کڑک،بادل کی گرج،موسلا دھار بارش اور تیز ہوائیں اس کا دل دہلا دیا کرتی تھیں۔سب سے زیادہ خوف زدہ کرنے والا واقعہ اپنے ہی جیسے دوسرے انسانوں کا دیکھتے ہی دیکھتے بے جان ہو جانا تھا۔اسے احساس ہو گیا کہ کوئی پوشیدہ طاقت ایسی ضرور ہے جو ان تمام کارناموں کے لیے ذمہ دار ہے۔وہ جب شکار کے لیے نکلتا تھا تو انجانے اور ان بوجھے کتنے ہی نظارے دیکھنے کو ملتے تھے۔فطری بات ہے کہ وہ ان تمام تجربات ومشاہدات کو دوسروں سے بیان کرتا رہا ہوگا۔ابتدائی قصے اس طرح وجود میں آئے ہوں گے۔ان

قصوں کے موضوعات اس کے اپنے مشاہدات، تجربات، عقاید اور توہمات رہے ہوں گے۔ اس عہد تک انسان کے عادات، اطوار، خیالات اور افعال کی تہذیب نہیں ہوئی تھی۔ اس میں اور جانوروں میں زیادہ فرق نہیں تھا۔ خود حفاظتی، جنس، غصہ، لڑائی اور جھنجھلاہٹ کا مزاج و رجحان انسانی جبلت کے بنیادی جذبے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ جذبے بھی ابتدائی قصوں کا موضوع قرار دیے جاسکتے ہیں۔ اس طرح موضوع کے نقطہ نظر سے قدیم قصوں کو چار حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ انہیں جذبوں کی عکاسی کو ہم ابتدائی افسانوی ادب کا موضوع قرار دے سکتے ہیں۔ ان موضوعات پر مبنی اخلاقی کہانیاں (Fable)، اساطیری کہانیاں (Myth)، مثالی کہانیاں (Legend) اور داستانیں (Romance) ہیں۔

اردو میں ہر صنف کی ابتدا دکن میں ہوئی۔ اُردو کی پہلی داستان "سب رس" ہے۔ ممکن ہے "سب رس" سے پہلے بھی دکنی داستانیں لکھی گئی ہوں لیکن اُردو ادب کا بڑا سرمایہ وقت کے ہاتھوں تلف ہو چکا ہے۔ دکنی نثر کا یہ شاہ کار عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھا گیا۔ اس کے آخر میں اس کی تاریخ تصنیف 1045ھ الفاظ میں دی ہے۔ سب رس اُردو میں ادبی نثر کا پہلا نمونہ ہے۔ یہ داستان سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی جس کا ذکر اس کے مصنف اسداللہ وجہی نے سبب تالیف و مدح بادشاہ میں کیا ہے۔ 'سب رس' کو مولوی عبدالحق نے دریافت کیا اور 1932ء میں پہلی بار شائع کیا۔ وجہی نے اسے اپنا کارنامہ بنا کر پیش کیا ہے اور کہیں اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ لیکن مولوی عبدالحق نے اس کا ماخذ محمد یحییٰ ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی فارسی تصنیف ''مثنوی دستور عشاق'' اور اس کا نثری خلاصہ 'حسن و دل' قرار دیا ہے۔ ''دستور عشاق'' تقریباً پانچ ہزار اشعار کی فارسی مثنوی ہے، فتاحی نے اس کا نثری خلاصہ 'حسن و دل' کے نام سے (450) سطروں میں فارسی ہی میں کیا تھا۔ اس کے علاوہ اسنے اس قصے کو 'شبستان خیال' کے نام سے لکھا جو فارسی نظم ہے اور 843ھ میں تصنیف کی گئی ہے۔ عزیز احمد کا خیال ہے کہ "سب رس" جیسی ضخیم کتاب 'حسن و دل' جیسے مختصر رسالے سے ماخوذ نہیں ہوسکتی، وجہی نے 'دستور عشاق' بھی دیکھی ہوگی۔ منظر اعظمی کا خیال ہے کہ 'سب رس' میں قصہ زیادہ طویل نہیں ہے اس کی ضخامت انشائی بیانات کی وجہ سے ہے، اس لیے ممکن ہے وجہی نے صرف حسن و دل ہی سے استفادہ کیا ہو۔ گیان چند جین لکھتے ہیں کہ ممکن ہے وجہی نے 'شبستان خیال' سے بھی استفادہ کیا ہو۔

'سب رس' اردو کی مقبول ترین تمثیلی داستان ہے تمثیل نگاری ایک طرز اظہار ہے اس میں ایک بات کہہ کر دوسری بات مراد لی جاتی ہے۔ سب رس ایک اخلاقی تمثیل ہے۔ اس میں حسن و عشق کی کشمکش اور عشق اور دل کے معرکے کو قصے کی صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ 'سب رس' میں عشق، عقل، دل، حسن، ہمت، وفا، مہر اور وہم وغیرہ مجرد خیالات کو انسانی کردار میں ڈھال کر رمزیہ انداز میں تصوف کے مسائل کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ "سب رس" کے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ ملک سیستان کے بادشاہ عقل کا بیٹا دل آب حیات تلاش کرنا چاہتا ہے۔ پتا چلتا ہے کہ

شہر دیدار کے باغ رخسار میں آب حیات کا چشمہ ہے۔شہر دیدار سلطان عشق کی مملکت میں ہے۔'عشق' کی بیٹی 'حسن' ہے۔'دل' 'نظر' کو بھیجتا ہے۔ نظر حسن سے ملتا ہے اور دل سے حسن کی خوبصورتی کی تعریف کرتا ہے۔دل حسن پر عاشق ہو جاتا ہے۔دل حسن سے ملنے جاتا ہے۔عقل کا لشکر ساتھ ہے۔عقل اور عشق کے لشکر میں جنگ ہوتی ہے اور عقل و دل کو شکست ہوتی ہے۔دل کو پکڑ کر حسن کے پاس لایا جاتا ہے۔دونوں بام وصل پر ملتے ہیں لیکن 'غیر' کی غداری سے دل فراق کے کوٹ میں قید کر دیا جاتا ہے کچھ دن بعد غیر اقبال جرم کر لیتی ہے، دل رہا ہو جاتا ہے۔ ہمت کی مصالحت سے عقل عشق کا وزیر مقرر ہوتا ہے دل اور حسن کا عقد ہو جاتا ہے۔باغ رخسار میں خواجہ خضر دل اور حسن کے سامنے اسرار حیات منکشف کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ آب حیات سخن ہے جو چشمہ دہن میں ہے۔

'سب رس' میں چھوٹے بڑے (76) کردار ہیں یہ کردار انسانی جذبات واحساسات اور نفسیاتی کیفیات کے جیتے جاگتے مجسمے ہیں۔' سب رس' کے سارے کردار اسم بامسمیٰ ہیں ان کی صفات اور اعمال ان کے نام کے مطابق ہیں۔''سب رس'' کے بعد دکن میں حکایات کے کئی مجموعے اور داستانیں ملتی ہیں لیکن ان میں بیشتر کے مصنف کا علم نہیں،تصنیف یا ترجمے کی تاریخ بھی معلوم نہیں محض زبان کے مطالعے سے ان کے دور کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

''طوطی نامہ'' یا ''طوطا کہانی'' دکنی نثر کا وہ کارنامہ ہے جو 7 ہویں صدی کے قبل کی نثر میں اہمیت کی حامل ہے۔لسانی اعتبار سے اس کی بڑی اہمیت ہے یہ داستان فارسی کے توسط سے دکنی میں آئی۔ یہ ستر حکایتوں کا مجموعہ ہے جسے ضیاالدین نخشبی نے 730ھ میں سنسکرت سے فارسی میں منتقل کیا۔ضیاالدین نخشبی نے ستر حکایتوں میں سے 52 حکایتوں کے ترجمے کیے۔سید محمد قادری نے 52 میں سے 35 حکایتوں کا سلیس فارسی میں ترجمہ کیا۔سید محمد قادری کے طوطی نامے کا ترجمہ 1142ھ مطابق 1729ء میں ہوا۔اس میں 35 کہانیاں ہیں اس کا نسخہ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری میں ہے۔مترجم کا پتہ نہیں چلتا۔ایک دکنی ترجمہ برٹش میوزیم میں محفوظ ہے جو ابوالفضل کے 'طوطی نامہ' کا ترجمہ ہے اس کا مترجم بھی نامعلوم ہے۔ادارہ ادبیات اردو حیدر آباد میں بھی ایک مخطوطہ دکنی نثر میں ہے۔اس کے مصنف اور زمانہ تصنیف کا پتہ نہیں چلتا۔اس میں 35 کہانیاں ہیں۔طوطی نامہ میں زیادہ تر کہانیاں عورتوں کی بدچلنی کی ہیں جو طوطے کی زبانی کہی گئی ہیں۔

'انوار سہیلی' کو عالمی ادب میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔اس کتاب میں حکومت کے رموز اور اخلاقی نصیحتوں کو کہانی کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔اس کا ترجمہ متعدد زبانوں میں ہو چکا ہے۔دکنی میں اس کا ترجمہ منشی محمد ابراہیم بیجاپوری نے کیا۔انہوں نے اس کا نام 'دکن انجمن' یا 'دکنی انوار سہیلی' رکھا۔ یہ ترجمہ 1824ء میں فورٹ سینٹ جارج کالج مدراس سے شائع ہوا۔ڈاکٹر مسعود حسین خاں نے اسے قدیم اُردو کا

آخری بڑا نثری کارنامہ قرار دیا ہے۔منشی محمد ابراہیم نے دکنی زبان اوراس کی قواعد ولغت کے مطابق یہ ترجمہ کیا،لسانی اعتبار سے اس کی بڑی اہمیت ہے۔یہ وجہی کی اس زبان کاتسلسل ہے جواس نے 'سب رس' میں استعمال کی تھی۔

'قصہ گل وہرمز' کودکنی میں سب سے پہلے وجدی نے اپنی مثنوی ''تحفۂ عاشقاں'' میں پیش کیا۔اس کا دوسرا دکنی نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانے میں ہے۔شمس اللہ قادری نے اپنے مضمون ''کتب خانہ انڈیا کے اُردو مخطوطات'' میں مصنفین کا نام محمد خاطر اور شمشیر علی درج کیا ہے۔اس میں روم کے شہزادے ہرمز اور خوارزم کی شہزادی گل کے معاشقے کا بیان ہے۔یہ دل چسپ داستان 236 صفحات پر محیط ہے۔''قصہ دلالہ مختالہ ''فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے۔مترجم کا نام نامعلوم ہے۔فرزانہ بیگم کے مطابق اس کا ترقیمہ ''تمام شد بتاریخ چہارم رجب 1242ھ روز سہ شنبہ '' ہے۔اس میں ایک مکار عورت کا قصہ ہے۔ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ نے اس کا نام مختالہ اورڈاکٹر فرزانہ بیگم نے مہتالا لکھا ہے۔

''قصہ اگر گل'' دکنی کا ایک نسخہ ادارہ ادبیات اردو اور ایک نسخہ سالار جنگ لائبریری میں ہے۔ادارہ ادبیات کا نسخہ 1284ھ کا اور سالار جنگ لائبریری کا نسخہ 1285ھ کا ہے۔مصنف کا پتہ نہیں چلتا۔اس قصے میں گل عاشق ہے اور اگر شہزادی محبوبہ ...!! قصے کی زبان انیسویں صدی کے نصف اول کی ہے۔

''قصہ معظم شاہ و چتر ریکھا'' کا مصنف وہی ہے جو قصہ اگر گل کا ہے اس کا قصہ دلچسپ ہے۔چین کا بادشاہ معظم شاہ خواب میں ایک شہزادی کو دیکھ کر عاشق ہو جاتا ہے۔شہزادی کو تلاش کیا جاتا ہے۔ایک آدمی کی مدد سے شہزادی کا پتہ چلتا ہے جس کا نام 'اعظم' ہے۔معظم شاہ اس سے شادی کر لیتا ہے۔شہزادی محل بنواتی ہے۔محل میں ایک مصور نے مور کی ایسی تصویر بنائی کہ بادشاہ نے اصل سمجھ کر تیر چلایا۔اس پر مصور کی بیٹی چتر ریکھا ہنستی ہے۔انتقاماً بادشاہ اس سے شادی کر لیتا ہے۔لیکن اس سے بات نہیں کرتا ہر رات چتر ریکھا اپنی سہیلی چندر کلا کو ایک معمہ نما کہانی سناتی ہے۔اس کی سہیلی اس کا حل نہیں بتا پاتی۔چتر ریکھا خود ہی حل بتاتی ہے یہ سلسلہ کئی راتوں تک چلتا ہے۔بادشاہ چتر ریکھا کی فراست سے متاثر ہو کر اس سے بات کرنے لگتا ہے۔شہزادی اعظم کو جب اس کی خبر ہوتی ہے تو وہ بھی حکایتوں کا سلسلہ شروع کرتی ہے اس کا حل چتر ریکھا سے پوچھتی ہے۔پہلے تو چتر ریکھا جواب دیتی ہے،جب سلسلہ دراز ہو جاتا ہے تو چتر ریکھا کی عقل جواب دے جاتی ہے۔شہزادی اور چتر ریکھا دونوں ایک دوسرے کی فراست سے متاثر ہوتی ہیں۔اس طرح دونوں بادشاہ کے ساتھ مل جل کر رہنے لگتی ہیں۔''تناولی'' کے مصنف فقیر اللہ شاہ حیدر نے اسے 1244ھ میں لکھا۔ورنگل کے مشائخ لاڈلے حسینی کے یہاں سے 'باغ و بہار' اور 'مذہب عشق' حاصل کر کے انہوں نے پڑھی۔انہوں نے قصہ بکاولی (مذہب عشق) کا جواب لکھا اور نام تناولی رکھا۔مصنف نے لکھا کہ اگر اس قصے کی زبان درست کی جائے تو اس کا چرچا بھی

بکاولی کے برابر ہوسکتا ہے۔لیکن ایسا کچھ نہیں ہوسکا۔

''حکایات الجلیلہ ترجمہ الف لیلۃ ولیلہ"'' کا ماخذ شیخ احمد بن محمود کی عربی الف لیلۃ ولیلہ ہے جو 1818ء میں کلکتہ سے شائع ہوئی تھی۔ اس میں دوسوراتیں ہیں یہ کسی مصری نسخے پر مشتمل ہے منشی شمس الدین احمد نے اس نسخے سے دکنی میں ترجمہ کیا۔ یہ الف لیلیٰ جیسی مشہور و معروف داستان کا پہلا اردو ترجمہ ہے۔ یہ کتاب آسان سلیس اور بامحاورہ دکنی زبان میں لکھی گئی۔اس کے لسانیاتی مطالعے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس کتاب میں دکنی اور معیاری اردو کے درمیان کشمکش ہورہی تھی۔ دکنی کے لسانی ارتقا کے سلسلے میں اس کتاب کا مطالعہ بے حد اہمیت کا حامل ہے۔ دکھنی' سنگھاسن بتیسی' سنسکرت الاصل ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے اس میں 32 کہانیاں ہیں۔ یہ چتر بھوج داس کے فارسی شاہ نامہ (فارسی 'سنگھاسن بتیسی') کا آزاد ترجمہ ہے۔اس کے مترجم کے بارے میں کچھ معلومات نہیں مل سکیں۔اس میں راجہ بکرماجیت کی داستان بتیس پتلیاں بیان کرتی ہیں جو سنگھاسن میں لگی ہوئی ہیں۔ یہ کہانیاں راجہ بھوج کو سنائی جاتی ہیں جو بکرم کے سنگھاسن پر بیٹھنا چاہتا ہے۔اس کے تراجم ہندوستان کی مختلف زبانوں میں ہوچکے ہیں۔''ملکہ زماں وکام کندلہ''منظوم فارسی داستان ''جواہر سخن'' کا آزاد دکنی ترجمہ ہے۔ملکہ زماں وکام کندلہ کا قصہ سنسکرت کے قصے مادھونل وکام کندلہ سے بالکل مختلف ہے۔ یہ آسان وسلیس اور بامحاورہ دکنی زبان میں لکھی گئی ہے۔اس داستان پر ہندو دیومالا کا اثر ہے لیکن قصے کی فضا خالص ہندایرانی ہے اس پر ہندوستان کے کلچر کی چھاپ ہے۔اس داستان کو انگریزوں کی تعلیم کے لیے ترجمہ کیا گیا تھا اس لیے زبان عام فہم اور سادہ ہے۔

2.3۔شمالی ہند میں داستان:۔

شمالی ہند میں اردو نثر کا ارتقا بھی شاعری کی طرح دکن کے بعد میں ہوا۔اٹھارہویں صدی سے قبل کوئی ادبی سرمایہ نہیں ملتا۔اٹھارہویں صدی میں کچھ قصے کچھ حکایتیں اور کچھ داستانیں ملتی ہیں۔اس صدی کا ایک مخطوطہ'قصھا' کے عنوان سے ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ 29 صفحات کے اس مخطوطے میں پرندوں کی دانش مندی کی حکایتیں ہیں۔محمد حسین آزاد نے آب حیات میں میر کی مثنوی شعلہ عشق کا ذکر کیا ہے جس کو سودا نے نثر میں لکھا تھا لیکن اس کے کسی نسخے کا ثبوت نہیں ملتا۔اٹھارہویں صدی کی داستانوں میں قصہ مہر افروز ودلبر، نوطرز مرصع، قصہ ملک محمد وگیتی افروز، عجائب القصص اور جذب عشق شامل ہیں۔

فورٹ ولیم کالج کی ابتدا 1800ء میں ہوئی۔اس کالج میں اس قسم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا کہ انگلستان سے آنے والے انگریز عہدہ دار اہل ملک کی زبان، ان کے خیالات، رسم ورواج، آئین وقوانین سے واقف ہوجائیں۔اس کالج میں شعبہ ہندوستانی کے صدر ڈاکٹر جان گل

کرسٹ تھے جنہیں اُردو سے خاص لگاؤ تھا۔گل کرسٹ چار برس تک ہندوستانی شعبے کے صدر رہے انہوں نے اس کو خوب ترقی دی۔ ہندوستانی شعبے میں اُردو، ہندی ادیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ میر بہادر علی حسینی، میر امن، میر حیدر بخش حیدری، شیر علی افسوس، کاظم علی جوان، خلیل علی خاں اشک، مظہر علی خاں ولا، للولال جی اور نہال چند لاہوری وغیرہ کے علاوہ ہندوستانی عملے کی تعداد 28 تک پہنچ گئی تھی۔ چار سال میں 54 کتابیں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کی گئیں جن میں 44 پر انعامات دیے گئے۔فورٹ ولیم کالج کی جانب سے جو داستانیں لکھی گئیں ان میں باغ و بہار، داستان امیر حمزہ، نگار خانہ چین، آرائش محفل، مذہب عشق، نثر بے نظیر، اخوان الصفا، خرد افروز، سنگھاسن بتیسی، بے تال پچیسی، اور 'مادھونل اور کام کندلہ' قابل ذکر ہیں۔فورٹ ولیم کالج کی داستانوں میں میر امن کی ''باغ و بہار'' کو سب سے زیادہ شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی۔اردو نثر میں داستان نویسی کی روایت فورٹ ولیم کالج تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ کالج کے باہر انشا اللہ خان انشا نے بھی چند دلچسپ تجربے کیے۔انھوں نے دو داستانیں 'سلک گوہر' اور 'رانی کیتکی کی کہانی' لکھیں۔ان کے علاوہ رجب علی بیگ سرور نے کئی داستانیں لکھیں۔جن میں ان کی شاہکار داستان 'فسانہ عجائب' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔

داستان کے فروغ میں نول کشور پریس نے بھی اہم رول ادا کیا۔اس پریس نے 'داستان امیر حمزہ' کے سلسلے میں 46 جلدیں لکھوائیں اور شائع کیں۔'داستان امیر حمزہ' کے جواب میں میر محمد تقی خیال نے 'بوستان خیال' لکھی۔'بوستان خیال' محمد شاہ کے دور میں لکھی گئی جو ہر طرح سے انحطاطی دور تھا اور معاشرہ عیاشی کی طرف راغب تھا۔اس لیے اس داستان میں عیش پرستی اور رنگ رلیوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔شمالی ہند میں داستانوں کا دور تقریباً سو برس رہا۔نول کشور پریس نے امیر حمزہ، بوستان خیال اور الف لیلہ کی اشاعت سے داستان کی مقبولیت میں اضافہ کیا تھا لیکن بیسویں صدی میں ذوق بدل جانے کی وجہ سے نول کشور پریس کے محافظ خانے میں محفوظ کئی داستانیں شائع ہونے سے رہ گئیں۔رام پور میں بھی کئی داستانیں اشاعت پذیر نہ ہوسکیں۔

2.4۔عمومی جائزہ:۔

اردو داستان کا آغاز دراصل قدیم زبانی قصہ گوئی کی روایت سے ہوا، جب قصے کہانیاں عوامی محفلوں میں سنائے جاتے تھے اور یہ روایت تفریح کے ساتھ ساتھ اخلاقی و معاشرتی اقدار کی ترسیل کا ذریعہ بھی تھی۔ بعد ازاں یہی زبانی روایت تحریری صورت میں منتقل ہوئی اور اردو داستانی ادب کی بنیاد پڑی۔اردو کی ابتدائی تحریری داستانوں کا مرکز دکن رہا، جہاں 'سب رس' جیسی تصانیف کے ذریعے داستانی نثر کو باقاعدہ ادبی شکل ملی اور تخیل، رومان اور مافوق الفطرت عناصر پر مبنی داستانی روایت مضبوط ہوئی۔ دکن کے بعد یہ روایت شمالی ہند تک پہنچی، جہاں داستان

نگاری کو مزید وسعت اور مقبولیت حاصل ہوئی۔ اس سلسلے میں فورٹ ولیم کالج کا کردار نہایت اہم ثابت ہوا، جہاں داستانوں کی تصنیف، ترجمہ اور تدوین کے ذریعے اردو نثر کو سادہ، معیاری اور بامقصد بنایا گیا۔ کالج کی سرپرستی میں تیار ہونے والی داستانوں نے نہ صرف تعلیمی ضرورت پوری کی بلکہ ادبی روایت کو بھی استحکام بخشا، اور اس کے اثرات کالج سے باہر بھی داستان نگاری کے فروغ کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ یوں اردو داستان کا ارتقا زبانی روایت سے شروع ہو کر دکنی دور، شمالی ہند کی وسعت اور فورٹ ولیم کالج کی اصلاح و تنظیم سے گزرتا ہوا ایک منظّم اور مقبول ادبی صنف کی صورت اختیار کر گیا، جس نے اردو نثر کی تشکیل و ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے داستان۔ آغاز ارتقاء کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 2.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے:۔

۱۔ اُردو کی پہلی داستان "فسانہ عجائب" ہے۔

۲۔ سب رس: دکنی نثر کا یہ شاہ کار عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں لکھا گیا۔

۳۔ سب رس اُردو میں ادبی نثر کا پہلا نمونہ ہے۔ یہ داستان سلطان عبداللہ قطب شاہ کی فرمائش پر لکھی گئی۔

2.5۔ فرہنگ:۔

جبلت	سرشت، فطرت
تلقین	نصیحت
موعظت	نصیحت
مقفیٰ	قافیے دار

متروک	ترک کیا ہوا

2.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔ داستان کے آغاز وارتقاء پر تفصیل سے گفتگو کیجئے؟

۲۔ شمالی ہند کی اہم داستانوں پر ایک نوٹ لکھیے؟

۳۔ دکن میں اردو داستان گوئی کی روایت پر تفصیل سے گفتگو کیجئے؟

2.7۔مشقی سوالات :۔

سوال1:۔اردو داستان کا ابتدائی آغاز کس صورت میں ہوا؟

____

____

____

____

____

____

سوال2:۔اردو کی ابتدائی تحریری داستانوں کا مرکز کہاں تھا؟

____

____

____

____

____

سوال 3:۔فورٹ ولیم کالج نے اردو داستان کے ارتقا میں کیا کردار ادا کیا؟

2.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔1:۔اردو داستان کا آغاز زبانی قصہ گوئی کی روایت سے ہوا جہاں قصے اور کہانیاں عوام کو سنائی جاتی تھیں۔بعد میں یہی روایت تحریری شکل میں منتقل ہو گئی۔

جواب۔2:۔اردو داستان کا پہلا تحریری دور دکن میں شروع ہوا جہاں ابتدائی داستانیں تصنیف کی گئیں۔دکن نے اردو نثر اور داستانی ادب کی بنیاد مضبوط کی۔

جواب۔۳:۔فورٹ ولیم کالج میں داستانوں کی تصنیف اور ترجمے کا باقاعدہ کام ہوا جس سے اردو نثر کو فروغ ملا۔اس کے اثر سے کالج کے باہر بھی داستان نگاری کا رجحان عام ہو گیا۔

جوابات:۔(ا۔غلط،۲۔صحیح،۳۔صحیح)

2.9۔امدادی کتب:۔

ا۔	اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین
۲۔	اردو اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد

۳۔	ارباب نثر اردو	سید محمد
۴۔	ہماری داستانیں	وقار عظیم
۵۔	اردو داستان	سہیل بخاری
۶۔	اردو نثر کا آغاز وارتقاء	رفیعہ سلطانہ

سبق نمبر۔۳:۔داستان کا فن

ساخت:۔

3.0 اغراض ومقاصد

3.1 تعارف

3.2 داستان کا فن

3.3 داستان کے اجزائے ترکیبی

3.4 عمومی جائزہ

3.5 فرہنگ

3.6 نمونہ امتحانی سوالات

3.7 مشقی سوالات

3.8 مشقی سوالات کے جوابات

3.9 امدادی کتب

3.0 ۔اغراض ومقاصد:۔

داستان کے فن سے واقف ہوں گے۔

داستان کی اہم خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔

داستان کے ادبی اور تفریحی پہلوؤں کو جان سکیں گے۔

داستانی اسلوبِ بیان کی نمایاں خوبیوں کو پہچان سکیں گے۔

داستان کے ذریعے پیش کیے جانے والے کرداروں اور واقعات کو سمجھ سکیں گے۔

اردو ادب میں داستان کی اہمیت سے آگاہی حاصل کریں گے۔

3.1۔تعارف:۔

داستان، اردو کے نثری ادب کی ایک قدیم ترین صنف ہے۔ چھوٹے چھوٹے واقعات کڑی در کڑی پرونے اور انھیں طویل شکل دینے کا نام ''داستان'' ہے۔ یہ واقعات دیکھے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں یا سنے ہوئے بھی۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ داستان کے واقعات جھوٹے، فرضی اور لغو ہوتے ہیں لیکن یہ بات ہم بھی سمجھتے ہیں کہ داستانوں میں جو واقعات بیان کیے جاتے ہیں اس کی بنیاد انسانی زندگی میں پیش آنے والے کسی نہ کسی سانحے یا واقعے پر ہوتی ہے۔ ہر انسان میں ایک فطری جذبہ یہ ہوتا ہے کہ اپنی برتری جتانے کے لیے وہ کبھی ماضی کے تو کبھی اپنی زندگی کے اہم حادثے یا عجیب وغریب واقعات کو لوگوں کے سامنے مبالغے کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ ایسے موقعے پر سامعین کا شعور حیرت و استعجاب میں ڈوب جاتا ہے اور اسی حیرت واستعجاب سے کہانی میں وہ اپنے لیے تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے۔ ان داستانوں میں زیادہ تر مہمات واقعات ہوتے تھے، یہ مہماتی کہانیاں دراصل انسانی زندگی کی ارتقائی کڑیاں بھی ہیں اور اس میں تہذیب وتمدن کی ارتقائی تاریخ بھی ہے لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ داستانیں جو بظاہر تخیلاتی نظر آتی ہیں ان میں ہماری تہذیبی تاریخ موجود ہے اسی لیے اس کی وقعت آج بھی کم نہیں ہوئی ہے اور آنے والے دنوں میں کم ہوگی۔

3.2۔داستان کا فن:۔

داستان کہانی کی ایک قدیم صنف ہے۔ اس صنف سے ارتقا کی منزل پر پہنچ کر ناول اور افسانے کا وجود ہوا۔ قدیم زمانے میں جب لوگوں کے پاس فرصت تھی تو بڑی بڑی کہانیاں ایک دوسرے کے تفریح طبع کے لیے سنتے یا سناتے تھے جنھیں ہم آج داستان کے نام سے جانتے ہیں۔ کلیم الدین احمد نے داستان کو کہانی کی طویل اور پیچیدہ، بھاری بھرکم صورت کہا ہے۔ کہا جاتا ہے داستان کا جنم انسانی تہذیب کے ساتھ ہی ہوا انسان جب جنگلوں اور غاروں میں رہتا تھا اسی وقت سے اس میں قصے کہنے اور سننے کا شوق موجود تھا۔ اسی شوق کی تکمیل سے داستان کا وجود ہوا اور جب زندگی میں استحکام پیدا ہوا، تہذیب اور سماجی تنظیم آگے بڑھی تو داستان تحریری شکل میں نمودار ہوئی۔

داستان قدیم زمانے سے ہی نشو ونما پا رہی تھی۔ اور آخر کار اس کے خدو خال پوری طرح متعین ہو گئے۔ ایک عرصے تک نثری ادب پر داستان کا تصرف رہا۔ بالآخر یہ طلسم ٹوٹا۔ انسان نے خوابوں اور خیالوں سے نکل کر حقیقت کی دنیا میں قدم رکھا۔ مگر یہ داستان بھی اپنی تاریخ ادب کا ایک ورق تھی اور اس کے اپنے تقاضے تھے۔

3.3۔داستان کے اجزائے ترکیبی:۔

طوالت: طوالت داستان کی اولین شرط تھی۔ داستان کی ضرورت وقت گزاری کے لیے تھی اور خالی وقت بے حساب تھا۔ داستانیں پڑھیں نہیں سنی جاتی تھی۔ رات کے وقت بادشاہ اور امیر اپنی خواب گاہوں میں اور عام لوگ چوک چورا ہے یا کسی مکان میں دیر رات تک داستانیں سنتے۔ بادشاہوں اور امیروں کے ہاں معمول تھا کہ داستان گو اس وقت تک سلسلہ، بیان جاری رکھتا تھا جب تک سننے والے سو نہ جائیں۔ اگلی رات داستان کی ڈور وہیں سے تھام لی جاتی تھی جہاں پچھلی شب ٹوٹی تھی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ داستان طولانی ہو۔ اس کے لئے سہل سا نسخہ یہ استعمال کیا جاتا تھا کہ کہانی میں کہانی جوڑ دی جاتی تھی۔ اس طرح داستان کہانی در کہانی کا فن ٹھہرا۔

پلاٹ:۔ پلاٹ کا تصور داستان میں کسی طرح ممکن نہیں ہے کیونکہ قصے کو بے جا حد تک طول دیا جاتا تھا اور نل میں نل کی طرح قصہ جوڑ کر اسے شیطان کی آنت بنایا جاتا تھا۔ جب قصے محض طوالت کے لیے لائے جاتے ہوں تو یہ کیسے ممکن ہے کی اس میں ربط قائم رہ سکے اس لیے آج جو پلاٹ کا تصور ہے اس کا اطلاق داستان پر نہیں کیا جا سکتا۔ ناول میں تو پلاٹ کا وجود آیا مگر داستان سے ایسی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ پلاٹ کا ذکر کر کے یہاں یہی جتانا مقصود تھا۔ دراصل تنقید تخلیق کے بعد جنم لیتی ہے۔ تخلیقی نمونوں کو سامنے رکھ کر تنقید کے اصول وضع کیے جاتے ہیں۔ داستان کو ناول کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جا سکتا ہے۔ داستان کے اصول الگ وضع کرنے ہوں گے۔ اوران اصولوں میں پلاٹ کی کوئی جگہ نہیں۔

فوق فطری عناصر:۔ داستان کی دوسری خصوصیت ہے۔ ہماری ہی نہیں بلکہ تمام قدیم عالمی ادب ہومر کی الیڈ اور اوڈیسی، رامائن، مہا بھارت وغیرہ فوق فطری عناصر سے پر ہیں۔ قدیم زمانے کی یہی ریت رہی ہے۔ شاعری سے داستان کا بہت گہرا رشتہ ہے۔ دونوں انسانی درد کا مداوا ہے۔ دونوں کا اصل مقصد حظ اندوزی تفنن طبع اور وقت گزاری ہے۔ دونوں کی بنیاد مبالغے پر ہے۔ دونوں میں تخیل کی کارفرمائی ہے۔ تخیل اور مبالغے کے اسی امتزاج نے فوق فطری عناصر کو جنم دیا۔ انسان کو اصلی زندگی میں جو کچھ میسر نہیں ہوتا اسے وہ خیالوں کی دنیا میں پانے کی کوشش کرتا ہے۔ داستان گو نے تخیل کے بل بوتے پر دیو، جن، پری، جادو اور جادوگر جیسی مخلوق کو جنم دیا۔ طلسمی محلات تعمیر کیے۔ سحر، اسم اعظم، تسخیر، لوح نقش

سلیمانی ٹوپی، جادو کا عصا، جادو کا سرمہ، جادو کا چراغ جیسی چیزوں کے سہارے خیر کی قوتوں کو شر کی قوتوں پر فتح پاتے دکھایا گیا ہے۔

کردار نگاری:۔ کردار نگاری کا تصور بھی داستانوں میں آج سے مختلف تھا۔ آج وہ کردار پسند کیے جاتے ہیں جو ہر پہلو سے حقیقی زندگی کی عکاسی کرتے ہوں۔ ان میں وہ خوبیاں اور خامیاں پائی جائیں جو انسانوں میں ہوتے ہیں۔ مگر اس طرح کے کردار داستانوں کے لیے قطعاً ناموزوں تھے۔ وہاں ضرورت تھی ایسے کرداروں کی جن کی انسان پرستش کر سکے، جن سے بے حد نفرت کرے، جن سے خوف زدہ ہو جائے، یا کم از کم جنھیں دیکھ کر ان کے کارنامے سن کر وہ حیرت میں پڑ جائے۔

ہماری داستانوں میں صرف اونچے طبقے کے لوگ یعنی شہزادے، شہزادیاں، امیر زادیاں پیش کی جاتی ہیں۔ غیبی امداد داستانوں کے کرداروں کو موقع ہی نہیں دیتی کہ ان کی صلاحیتیں بروئے کار آئیں۔ خطرہ درپیش ہوں تو سلیمانی ٹوپی اوڑھ کر ہیرو دشمن کی نظروں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ اژدہے گھیر لیں تو وہ اپنا عصا زمین میں گاڑ دیتا ہے جو تناور درخت ہو جاتا ہے اور ہیرو اس پر چڑھ کر محفوظ ہو جاتا ہے۔ ایسی جڑی بوٹیاں ہیں جن کو کھا کر انسان طوطا بن جاتا ہے اور پھر دوسری بوٹی کھا کر انسان کے روپ میں لوٹ آتا ہے۔ ایسے محل ہیں جو سردی گرمی بھوک، پیاس اور ہر بلا سے محفوظ رکھتے ہیں۔ داستانوں کے کردار انسان ہی نہیں بلکہ حیوان بھی ہیں۔ اور عجیب وغریب مخلوق بھی۔ یہاں دانا الو ہے۔ دانش مند بندر ہے۔ واعظ طوطے ہیں، خوف ناک اژدہے ہیں اور ایسی مخلوق ہیں جو نصف حیوان اور نصف انسان مثلاً گھوڑا یا مور ہے۔ یہ حسب ضرورت اپنا اپنا پارٹ ادا کرتے ہیں۔ درس اخلاق داستان کا مقصد نہ سہی لیکن تمام داستانوں میں کسی نہ کسی شکل میں موجود ہے۔ ہر جگہ حق کی فتح اور باطل کی شکست ہوتی ہے۔ اس میں نیکی کی ترغیب پوشیدہ ہے۔ عموماً داستانوں کا انجام خیر پر ہوتا ہے۔ خاتمہ بالخیر اسی پر ہوتا ہے۔ آخر میں دعا کی جاتی ہے کہ جس طرح انھوں کے دن پھرے اسی طرح ہمارے تمہارے دن بھی پھریں۔ اس میں یہ اشارہ پنہاں ہے کہ تم بھی انھیں کی طرح نیکیاں کروتا کہ ایسا ہی انعام پاؤ۔

معاشرت کی مرقع کشی:۔ ہماری داستانوں کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ پروفیسر گیان چند نے لکھا ہے کہ ان داستانوں سے لکھنو اور دلی کی شاہی تہذیب کی پوری تاریخ مرتب ہو سکتی ہے۔ ہر جنس کی ایسی تفصیل ہے کہ ایک انسائیکلو پیڈیا تیار ہو جائے۔ طرح طرح کے کھانے پینے، ملبوسات، سواری کے جانوروں کی تفصیل، شکاری جانوروں کے نام، چوروں کے فرقے، ملازموں کے درجات، کیا ہے جو ان میں موجود نہیں۔ اس عہد کی رسم ورواج اور آداب واطوار سب کچھ داستانوں میں موجود ہیں۔

منظر نگاری: منظر نگاری کے نقطہ نظر سے یہ داستانیں اردو ادب کا ایک بیش بہا ذخیرہ ہیں۔ داستان کے مصنفوں نے اس طرف خاص

توجہ کی ہے اور منظر کشی کا حق ادا کر دیا ہے۔اس زمانے میں ہمارے شعر وادب پر شہری زندگی کی فضا غالب تھی۔مصنفوں نے ہیرو کی مہم جوئی کے سہارے ریگزار، پہاڑ، دریا، سبزہ زار، وغیرہ کے علاوہ مختلف موسموں اور مختلف اوقات جیسے صبح وشام کی تصویر کشی کا حق ادا کر دیا ہے۔اس کے علاوہ شادی بیاہ، میلے، عرس وغیرہ کے مناظر بھی بہت سلیقے سے پیش کیے ہیں۔

زبان وبیان: داستانوں کی اہمیت زبان و بیان کے لحاظ سے بھی ہے کیونکہ داستانوں کی بڑی خوبی یہ ہے کہ ایسی زبان کا استعمال کیا جائے جو اپنے اندر دلکشی اور اور چاشنی رکھتی ہو لہذا وہی داستان زیادہ پسند کی جاتی تھی جس میں زبان کا چٹخارہ موجود ہو۔اور حقیقت یہی ہے کہ داستان گو اپنی زبان دانی کے سبب ہی لوگوں کو مسحور کیا کرتے تھے اگر زبان میں یہ خوبی نہ ہوتی تو سننے والے اکتا جاتے اور کوئی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوتا۔اسلئے تمام داستان گو شعوری طور پر یہ کوشش کرتے تھے کہ زبان کا تخلیقی اور ادبی استعمال کے ساتھ ساتھ عام فہم بھی ہو، یہی وجہ ہے کہ تقریباً سبھی داستانیں اسلوب کے نقطہ نظر سے کافی رنگا رنگ ہیں اور اپنی لسانی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔

3.4۔عمومی جائزہ:۔

اردو داستان کا فن اپنی ساخت، اسلوب اور موضوعاتی وسعت کے اعتبار سے ایک مکمل اور منفرد ادبی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔اس صنف کی بنیاد انسانی فطرت میں موجود تجسس، حیرت اور غیر معمولی واقعات سے رغبت پر قائم ہے، اسی لیے داستان ایک ایسی تخیلاتی دنیا تشکیل دیتی ہے جہاں حقیقت اور تصور ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔داستان کی نمایاں خصوصیت اس کی طوالت، واقعات کا تسلسل اور متعدد مہمات و ذیلی قصوں کی شمولیت ہے، جو اسے وسعت، تنوع اور دلچسپی عطا کرتی ہے۔

داستان کے فن میں فوقِ فطری عناصر کو مرکزی اہمیت حاصل ہے۔دیو، پری، طلسم، جادو اور غیر معمولی قوتیں نہ صرف داستانی فضا کو پراسرار اور پر کشش بناتی ہیں بلکہ انسانی خواہشات، خوف اور لاشعوری کیفیات کی علامت کے طور پر بھی سامنے آتی ہیں۔اسی طرح کردار نگاری میں مثالی ہیرو، غیر معمولی صلاحیتوں اور بلند اخلاقی اوصاف کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے، جب کہ مخالف کردار برائی اور منفی قوتوں کی نمائندگی کرتا ہے۔اس طرح داستان میں خیر وشر کی کشمکش ایک بنیادی فنی عنصر کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

منظر نگاری اور جزئیات نگاری داستان کے حسن کو مزید بڑھاتی ہیں۔محلات، جنگلات، میدانوں اور عجیب وغریب مقامات کی تفصیلی تصویر کشی داستانی ماحول کو جاندار بناتی ہے۔زبان و بیان سادہ، رواں اور بیانیہ انداز کا حامل ہوتا ہے، جس میں مبالغہ اور تخیلاتی اظہار کے ذریعے

تاثیراوردلکشی پیدا کی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ساتھ داستان میں اخلاقی اقدار،تہذیبی روایات اور معاشرتی زندگی کی جھلک بھی موجود رہتی ہے، جس سے اس کی معنوی اہمیت میں اضافہ ہوتا ہے۔مجموعی طور پر داستان کا فن تخیل کی وسعت، فنی تنظیم، دلچسپ بیانیہ،فوقِ فطری عناصر، مثالی کرداروں اور تہذیبی و اخلاقی شعور کے امتزاج سے تشکیل پاتا ہے، جو اسے اردو ادب کی ایک ہمہ گیر، مؤثر اور دیرپا صنف بناتا ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے داستان کا فن کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔

اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 3.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجیے:۔

ا۔اردو داستان کا فن اپنی ساخت، اسلوب اور موضوعاتی وسعت کے اعتبار سے ایک مکمل اور منفرد ادبی نظام کی حیثیت رکھتا ہے۔

۲۔اس صنف کی بنیاد انسانی فطرت میں موجود تجسس، حیرت اور غیر معمولی واقعات سے رغبت پر قائم نہیں ہے،اسی لیے داستان ایک ایسی تخیلاتی دنیا تشکیل نہیں دیتی ہے جہاں حقیقت اور تصور ایک دوسرے میں گھل مل جاتے ہیں۔

۳۔داستان کی نمایاں خصوصیت اس کی طوالت، واقعات کا تسلسل اور متعدد مہمات و ذیلی قصوں کی شمولیت ہے، جو اسے وسعت،تنوع اور دلچسپی عطا کرتی ہے۔

۴۔داستان کے فن میں فوقِ فطری عناصر کو مرکزی اہمیت حاصل نہیں ہے۔

۵۔دیو، پری، طلسم، جادو اور غیر معمولی قوتیں نہ صرف داستانی فضا کو پراسرار اور پرکشش بناتی ہیں بلکہ انسانی خواہشات، خوف اور لاشعوری کیفیات کی علامت کے طور پر بھی سامنے آتی ہیں۔

3.5۔فرہنگ:۔

نوع	قسم،جنس،ڈھنگ

تخیل	وہ قوت جو خیالی صورتیں بنا کر وہم کے سامنے کھڑی کردے
طوالت	لمبائی، زیادتی
مسحورکن	جادو کرنے والا، جادوئی
فراغت	فرصت
مافوق فطری	قانون قدرت سے بالاتر، فطری قوتوں سے بالاتر، ایسی باتیں یا چیزیں جسے سن یا دیکھ کر انسانی عقل حیران رہ جائے
فرحت	سرت، خوشی
ہجر	جدائی
آشنائی	شاہد کی جمع، گواہیاں
آراستہ	سجا سنور
کفایت شعاری	کسی بھی چیز کا کم سے کم استعمال
مصنوعی	بناوٹی

3.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔داستان کسے کہتے ہیں؟اس کے فن پر روشنی ڈالیے؟

۲۔فورٹ ولیم کالج کے زیر اہتمام لکھی گئی داستانوں پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

3.7۔مشقی سوالات:۔

سوال 1: داستان کے فن کی ایک نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

____

____

سوال2: داستان میں فوقِ فطری عناصر کا کیا کردار ہوتا ہے؟

سوال3: داستان کی زبان و بیان کیسی ہوتی ہے؟

3.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: داستان کی اہم خصوصیت اس کی طوالت اور واقعات کا مسلسل تسلسل ہے۔اس میں مرکزی کہانی کے ساتھ متعدد ذیلی قصے بھی شامل ہوتے ہیں۔

جواب: دیو، پری، جادو اور طلسم جیسے عناصر داستان کو دلچسپ اور پراسرار بناتے ہیں۔ یہ انسانی تخیل اور تجسس کی تسکین کا ذریعہ ہوتے ہیں۔

جواب: داستان کی زبان سادہ، رواں اور بیانیہ انداز کی حامل ہوتی ہے۔اس میں مبالغہ اور منظر نگاری کے ذریعے دلکشی پیدا کی جاتی ہے۔

جوابات:۔(۱۔صحیح،۲۔غلط،۳۔صحیح،۴۔غلط،۵۔صحیح)

3.9۔امدادی کتب:۔

۱۔کلیم الدین احمد	اردو زبان اور فن داستان گوئی
۲۔حامد حسن قادری	داستان تاریخ اردو
۳۔رام بابو سکسینہ	تاریخ ادب اردو (مترجم محمد عسکری)
۴۔وقار عظیم	داستان سے افسانے تک
۵۔ابن کنول	داستان سے ناول تک
۶۔اطہر پرویز	داستان کا فن
۷۔سید احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ

سبق نمبر:۴:۔اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ

ساخت:۔

4.0 اغراض ومقاصد
4.1 تعارف
4.2 اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ
4.3 اردو نثر کے فروغ میں فورٹ ولیم کالج کا کردار
4.4 عمومی جائزہ
4.5 فرہنگ
4.6 نمونہ امتحانی سوالات
4.7 مشقی سوالات
4.8 مشقی سوالات کے جوابات
4.9 امدادی کتب

4.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:

اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کے کردار کو سمجھیں گے۔

داستانوں کی زبان وبیان اور بیانیہ اسلوب کی خصوصیات سے واقف ہوں گے۔

داستانوں کی عوامی مقبولیت کے ذریعے اردو نثر کی وسعت اور ترقی کو جانیں گے۔

داستانوں کے تراجم سے اردو کے ذخیرہ؟ الفاظ اور اسلوب میں ہونے والے اضافے کو سمجھیں گے۔

اردو نثر کی تشکیل وارتقا میں داستانوں کی ادبی اہمیت کو واضح کر سکیں گے۔

4.1۔تعارف:۔

اردو زبان وادب کی تاریخ اور اس کے ابتدائی نقوش کے مطالعے کے بعد یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ دنیا کی اکثر زبانوں کی طرح اردو میں بھی نثر کا آغاز اور اردو نثری ادب کا ارتقاء شاعری کے مقابلے میں تاخیر سے ہوا۔ اردو کے ابتدائی دور تشکیل میں اردو نثر کو صوفیوں کے ملفوظات سے سہارا ملا اور انھوں نے ہی اردو نثر نگاری کی داغ بیل ڈالی۔ دکنی اردو کی تخلیقات میں شعری ادب کے ساتھ نثر کا خاکہ بھی بنتا رہا اور یہاں کی داستانوں میں ''سب رس'' کی تصنیف تک اردو نثر نے غیر معمولی ترقی کی۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے نثر کی تعریف وتوضیح بھی جان لینا ضروری ہے۔

نظم کے مقابلے نثر میں انسان اپنی بات صفائی اور آسانی سے دوسروں تک پہنچانے میں زیادہ کارآمد ثابت ہوتی ہے۔ نثر اور نظم میں ایک امتیازی خصوصیت وزن ہے۔ شاعری میں روایتی طور پر وزن کا عنصر ضروری مان لیا گیا ہے اور عوام الناس اس کی بنا پر نثر اس تحریر کو کہتے ہیں جس میں خیال کو الفاظ کا پیکر عطا کرتے وقت مصنف اس میں وزن کا اہتمام نہ کرے آپ کہہ سکتے ہیں کہ ابتدائی بیشتر داستانوں میں وزن اور قافیہ پیمائی کا اہتمام ملتا ہے لیکن تب نثر اپنی ابتدائی صورت میں تھی۔ آج ہمارے عہد میں ویسی نثر نہیں لکھی جاتی۔ نثر میں جو بات کہی جائے وہ صاف طریقے سے کہی جائے یہ اس کا اولین مطالبہ ہے۔ ادبی نثر میں ادیب کو پوری آزادی ہوتی ہے کہ ادب کی جملہ خصوصیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اپنی بات کہے اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ بڑی مرصع زبان لکھے۔ نثر کا تعلق اس کے موضوع۔ سے بہت گہرا ہوتا ہے۔ سفرنامے، خطوط، ڈائری، سوانح حیات، داستانیں، ناول، افسانے، تنقید، فلسفہ، تاریخ اور ڈرامے وغیرہ نثر میں لکھے جاتے ہیں لیکن ان کے مختلف انداز اور ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ہر ایک کا انداز اپنا ہوگا۔ کسی میں نثر کا لہجہ بیانیہ ہوگا تو کہیں عالمانہ انداز میں بات کی جائے گی۔ نثر کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں اس کے ذریعے ادبی تخلیقات کی گئیں وہاں اس نے علوم انسانی کو اپنے دامن میں جگہ دی ہے۔ سائنس، فلسفہ، تاریخ، سیاست، معاشیات

اور جغرافیہ وغیرہ کی تصانیف نظم کے ذریعہ نہیں بلکہ نثر میں کی گئیں کیوں کہ اس میں باتیں تفصیل سے بیان کی جاتی ہیں۔ دنیا کی مختلف زبانوں کے ادب میں نثر کے نمونے داستان، ناول، افسانے، مضمون، خطوط اور سوانح حیات سے ہی اپنی ارتقائی منزلوں کو پہنچے ہیں۔

4.2۔اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ:۔

یوں تو داستان گوئی کی روایت انسان کے وجود ہونے کے ساتھ جڑی ہوئی ہے۔لیکن اگر ہم تاریخی طور پر اس کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ داستان گوئی کو ایک ایسے دور میں فروغ حاصل ہوا جب کہ لوگوں کے پاس نسبتاً زیادہ فراغت تھی۔کام کاج سے تھک جانے کے بعد شام کی منڈی میں داستانیں ان کا جی بہلانے اور وقت گزارنے کا بہترین ذریعہ تھیں۔داستان ایک اہم صنف سخن ہے۔ناول اور افسانے نے اس کے بطن سے جنم لیا ہے۔لہذا اردو نثر کے نمونے داستانوں میں تلاش کرنا اپنے آپ میں ایک منطقی جواز رکھتے ہیں۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اردو نثر کے ابتدائی نمونے ہمیں سب سے پہلے صوفیا کے ملفوظات میں ملتے ہیں۔معراج العاشقین، شکار نامہ، تلاوۃ الوجود وغیرہ میں نثر کے نمونے اور بنیاد کو ہم کیسے فراموش کر سکتے ہیں۔ یہاں نثر کی زبان قدرے مشکل اور صوفیانہ پر رمز افکار سے بھرے ہوئے خیالات کی وجہ سے پیچیدہ ہے۔ان میں ہندی صوفیانہ خیالات کی آمیزش بھی ہے اور اس وقت کے مہاراشٹری بھکتوں اور سنتوں کے خیالوں سے مماثلت بھی نظر آتی ہے۔میراں جی شمس العشاق سے نثر میں رسائل منسوب ہیں ان کے صاحب زادے برہان الدین جانم کی کتاب 'کلمتہ الحقائق'، 'بہشت مسائل' اور 'ذکر جلی' اہم ہیں ان میں بھی صوفیانہ خیالات کی آمیزش سے پیچیدہ نثر ملتی ہے۔امین الدین اعلیٰ نے بھی نظم و نثر دونوں میں اپنے ارشادات پیش کیے۔لیکن اس دور کی یہ تصانیف ادبی نقطہ نظر سے اہم نہیں اور نہ ہی نثر کی صورت واضح ہے۔لیکن ابتدائی نقوش کی وجہ سے ہم انھیں حوالے کے طور پر ضرور مطالعہ کرتے ہیں۔اس طرح دکن میں اردو نثر کو فروغ حاصل ہوا۔سترہویں صدی میں ملا وجہی نے اردو نثر نگاری میں 'سب رس' داستان لکھ کر اردو نثر کو ایک اہم موڑ عطا کیا۔وجہی نے یہ کتاب ۱۶۳۵ء میں لکھی انھوں نے اس کتاب میں پیچیدہ اور عمیق فلسفیانہ مسائل کو اردو کی نوخیز نثر میں ادبی حسن کے ساتھ پیش کیا۔انھوں نے سب رس کے دیباچہ میں لکھا ہے:

> ''آج لگن اس جہان میں، ہندستان میں، ہندی زبان میں، اس لطافت، اس چھنداں سوں نظم ہور نثر ملا کر، گلا کر یوں نہیں بولیا۔اس بات کوں، بنات کوں یوں کوئی آب حیات میں میں گھولیا۔یوں غیب کا علم نہیں کھولیا۔''

داستان ''سب رس'' کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب اور ادبی نثر نگاری کے لحاظ

سے یہ انوکھی اور غیر معمولی تخلیق ہے۔ 'سب رس' کے پراسرار اور رمزیہ داستان کے تانے بانے میں اردو نثر کے عمدہ سوتے پھوٹتے دکھائی دیتے ہیں۔ 'سب رس' کے بعد دکنی اردو نثر میں 'طوطی نامہ' بھی لکھی گئی اس کی نثر بھی 'سب رس' کی طرح ہے لیکن اس میں وہ ادبی چاشنی نہیں۔ دکن کے علاقے میں اورنگ زیب کی مداخلت کے بعد اردو کا رشتہ شمالی ہند سے وابستہ ہوا۔ یہاں نثر کے ابتدائی نمونے میر جعفر زٹلی کے یہاں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جو فارسی اور عام بول چال کی ملی جلی زبان میں نثر لکھتے تھے۔ محمد شاہی عہد میں اردو نثر کی سب سب پہلی کتاب فضلی کی ''کربل کتھا'' قرار دی گئی ہے جو ۱۷۳۱ء میں مرتب کی گئی۔ یہ کتاب بھی ایک طرح کی داستان ہی ہے جسے فارسی سے اردو میں منتقل کیا گیا۔ مرزا سودا نے اپنے مرثیوں کے مجموعے کا مقدمہ اردو نثر میں لکھا جو فارسی آمیز ہے۔ سودا نے میر کی مثنوی شعلہ عشق کو بھی اردو نثر میں منتقل کیا۔ شاہ رفیع الدین اور شاہ عبد القادر دلی کے بہت مشہور عالم: تھے انھوں نے قرآن کے تراجم اردو نثر میں پیش کیے۔ اس دور میں صوبہ بہار میں زیادہ تر مذہبی اور صوفیانہ کتابیں نثر میں لکھی گئیں شاہ عماد پھلواروی (پٹنہ) کی نثری تصنیف ''سیدھا رستہ'' بہت اہم نثری تصانیف میں شمار کی جاتی ہے۔ یہاں جوشش، تپاں اور راسخ کے نثری نمونے بھی لائق توجہ ہیں۔ ۱۷۷۵ء میں میر عطا حسین تحسین نے ''چہار درویش'' کا اردو ترجمہ ''نوطرز مرصع'' کے نام سے کیا۔ جنھیں اردو کی بہترین داستانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی نثر فارسی آمیز ہے۔ اس کتاب کی ایک چھوٹی سی عبارت دیکھیے:

> ''خان صاحب کے سے کہ بیچ اس زمانے کے اقلیم رقم، علم و ہنر کے تئیں آرائش دے کر علم استادی کا بلند رکھتے ہیں۔ استفاضہ آثار تربیت و شاگردی کا حاصل کر کے مزاج اپنے کے تئیں او پر شوق مطالعہ قصہ ہائے رنگین اور لکھتے افسانہ ہائے شیریں کے از بس مصروف رکھتا تھا۔''

اس نثر کو دیکھنے کے بعد آپ کے ذہن میں یقیناً یہ سوال اٹھے گا کہ ''سب رس'' اس داستان سے بہت پہلے لکھی گئی پھر بھی ''نوطرز مرصع'' کی زبان اس سے زیادہ فارسی آمیز اور مشکل کیوں ہے پہلی وجہ تو یہ کہ جب سب رس لکھی گئی تو دکن کا شمال سے کوئی آمد و رفت کا سلسلہ قائم نہ تھا اور دوسرے یہ کہ شمالی ہند میں فارسی درباروں کی زبان تھی اور ہندستانی جو اس وقت ریختہ کی شکل میں تھی بازاروں اور گرے پڑے لوگوں کی زبان سمجھی جاتی تھی اس لیے اہل ادب تکلف کے ساتھ اردو نثر لکھتے رہے۔ نوطرز مرصع کے بعد ۱۸۰۳ء میں میر امن کی باغ و بہار منظر عام پر آئی۔ میر امن نے ''چہار درویش'' اور اس کا ترجمہ نوطرز مرصع کو سامنے رکھتے ہوئے فورٹ ولیم کالج کے احاطے میں اس کا سلیس اردو میں ترجمہ پیش کیا۔ میر امن نے حقیقت میں اس زبان کو ایسی ٹھیٹھ ہندوستانی زبان میں منتقل کیا کہ بجائے ترجمہ و تالیف کہ یہ کتاب ان کی تصنیف سمجھی جانے لگی۔ اس داستان کی نثر کے بارے میں میر امن کی زبانی ہی سنیے:

''اس قصے کو ٹھیٹھ ہندستانی گفتگو میں، جو اردو کے لوگ ہندو مسلمان عورت مرد لڑکے بالے، خاص و عام آپس میں بولتے چالتے ہیں۔ ترجمہ کرو۔ موافق حکم حضور کے میں نے بھی اس محاورے سے لکھنا شروع کیا جیسے کوئی باتیں کرتا ہے۔''

4.3۔اردو نثر کے فروغ میں فورٹ ولیم کالج کا کردار:۔

فورٹ ولیم کالج کے اس ترجمہ وتصنیف کے ماحول میں بہت سی داستانیں لکھی گئیں لیکن جو شہرت میر امن کی باغ و بہار کی نثر نگاری کو ملی وہ کسی اور کو نصیب نہ ہو سکی۔ یہاں جو دوسری داستانیں لکھی گئیں ان میں میر امن کی ہی ایک اور کتاب گنج خوبی، حیدر بخش حیدری کی ''قصہ مہر و ماہ''، طوطی کہانی، آرائش محفل، شیر علی افسوس کی ''باغ اردو بہادر'' علی حسینی کی ''نثر بے نظیر''، مظہر علی خاں ولا کی ''بیتال پچیسی'' نہال چند لاہوری کی ''مذہب عشق'' وغیرہ اہم ہیں۔ فورٹ ولیم کالج کے دور کے بعد 1824ء میں رجب علی بیگ سرور نے ''فسانہ عجائب'' کے نام سے ایک داستان لکھی۔ جس کی زبان مقفع اور مسجع عبارتوں سے آراستہ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ داستان باغ و بہار کے جواب میں لکھی گئی۔ اس کی زبان بھی عربی و فارسی آمیز ہے اس کتاب کی نثر کے سلسلے میں بھی یہی جواز پیش کیا جاتا ہے کہ رجب علی بیگ لکھنو کے شاہی درباروں سے وابستہ رہ چکے تھے جہاں کی زبان فارسی معیاری سمجھی جاتی تھی اور ہندستانی کو شرفا ہیچ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ داستان فسانہ عجائب سے نمونہ ملاحظہ کیجیے:

> ''جیسے ہی ملکہ کی نگاہ چہرہ بے نظیر، صورت دلپذیر، جان عالم پر پڑی۔۔ مشاطہ حسن وعشق نے پیش قدمی کو متاع صبر وخر، نقد دل و جان، اساس ہوش وحواس، تاب وتواں ملکہ جگر افگار، ارمغان رونمائی میں نذر شاہ زادہ والا تبار کیا۔ عقل و دانش گم صم بکم کا نقشہ ہوا، حضرت عشق کی مدد ہوئی۔''

لیکن بدلتے وقت اور حالات نے اس مقفع و مسجع نثر کو قبول نہیں کیا اور باغ و بہار کی زبان سے ہی آنے والی نسل نے تحریک لی۔ غالب نے سہل اور باتیں کرنے کے انداز میں خطوط لکھنے کا ڈھنگ باغ و بہار سے ہی سیکھا۔ سر سید نے بھی اسی اردو نثر کو ترجیح دی جو آج بھی ہمارے نزدیک معیاری نثر تصور کی جاتی ہے۔

4.4۔عمومی جائزہ:۔

داستانوں نے اردو نثر کے ارتقا اور فروغ میں بنیادی اور فیصلہ کن کردار ادا کیا۔ ابتدا میں اردو زبان عوامی بول چال تک محدود تھی، مگر

داستانوں نے اسے باقاعدہ ادبی زبان کی حیثیت دلائی۔ داستان گوئی کی روایت نے نہ صرف زبان کو وسعت دی بلکہ اس کے ذخیرہ الفاظ، محاورات، تشبیہات اور بیان کی دلکشی میں بھی اضافہ کیا۔ داستانوں کے ذریعے تخیل، منظر نگاری، کردار سازی اور واقعاتی ترتیب جیسی فنی خصوصیات نثر میں داخل ہوئیں، جس سے اردو نثر محض اطلاع یا بیان کی زبان نہ رہی بلکہ ایک مؤثر اور دلکش ادبی اظہار بن گئی۔ عوامی مقبولیت کی وجہ سے داستانوں نے اردو کو عام لوگوں تک پہنچایا اور اس کی سماجی و تہذیبی بنیادوں کو مضبوط کیا۔ نتیجتاً داستانیں اردو نثر کی ابتدائی تشکیل اور اس کی فنی پختگی کا اہم ذریعہ ثابت ہوئیں۔ انہی داستانوں نے آگے چل کر ناول، افسانہ اور دیگر نثری اصناف کے لیے راستہ ہموار کیا۔ اگرچہ بعد کے ادوار میں داستان کی مقبولیت کم ہوئی، لیکن اس کا اسلوب، بیانیہ قوت اور تخلیقی وسعت اردو نثر میں ہمیشہ زندہ رہی۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ داستانیں اردو نثر کی ترقی کا سنگِ بنیاد ہیں، جنہوں نے زبان کو ادبی وقار، وسعتِ اظہار اور فکری و فنی توانائی عطا کی۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے اردو نثر کے فروغ میں داستانوں کا حصہ کے بارے میں تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔

اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 4.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہیں پر کیجئے:۔

۱۔ داستان ''سب رس'' کے مطالعے سے یہ واضح ہوتا ہے کہ نہ صرف مواد کے اعتبار سے بلکہ خیالات، اسلوب اور ادبی نثر نگاری کے لحاظ سے یہ انوکھی اور غیر معمولی۔۔۔۔۔ ہے۔

۲۔ 'سب رس' کے پر اسرار اور رمزیہ داستان کے تانے بانے میں اردو نثر کے عمدہ سوتے پھوٹتے۔۔۔۔ دیتے ہیں۔

۳۔ 'سب رس' کے بعد دکنی اردو نثر میں۔۔۔۔ بھی لکھی گئی اس کی نثر بھی 'سب رس' کی طرح ہے لیکن اس میں وہ ادبی چاشنی نہیں۔

۴۔ دکن کے علاقے میں۔۔۔۔ کی مداخلت کے بعد اردو کا رشتہ شمالی ہند سے وابستہ ہوا۔

۵۔ یہاں نثر کے ابتدائی نمونے میر جعفر زٹلی کے یہاں۔۔۔۔۔ ملتے ہیں۔ جو فارسی اور عام بول چال کی ملی جلی زبان میں نثر لکھتے تھے۔ محمد شاہی عہد میں اردو نثر کی سب سب پہلی کتاب فضلی کی ''کربل کتھا'' قرار دی گئی ہے جو۔۔۔۔ میں مرتب کی گئی۔

4.5۔فرہنگ:۔

تشکیل	شکل بنانا، خاکہ تیار کرنا
ملفوظات	کسی بزرگ کے ارشادات
ملحوظ	جس کا پاس کیا جائے، جو دھیان میں رہے
مرصع	جواہرات جڑا ہوا، نگینے جڑا ہوا

4.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال 1: اردو نثر کے ارتقا اور فروغ میں داستانوں کے کردار پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

سوال 2: داستانوں کی زبان و بیان، تراجم اور عوامی مقبولیت کے حوالے سے واضح کیجیے کہ انہوں نے اردو نثر کی تشکیل اور وسعت میں کس طرح اہم کردار ادا کیا؟

4.7۔مشقی سوالات:۔

سوال 1: داستانوں نے اردو نثر کے فروغ میں کیا کردار ادا کیا؟

____

____

____

____

____

____

سوال 2: داستانوں کی زبان نے اردو نثر کو کس طرح متاثر کیا؟

سوال3: اردو داستانوں کے تراجم نے نثر کی ترقی میں کیا حصہ ڈالا؟

سوال4: داستانوں کی مقبولیت کا اردو نثر پر کیا اثر ہوا؟

4.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: داستانوں نے سادہ اور رواں بیانیہ اسلوب کو فروغ دیا اور نثر کو عوامی سطح پر مقبول بنایا۔ اس کے ذریعے اردو نثر کو وسعت اور استحکام حاصل ہوا۔

جواب: داستانوں کی زبان عام فہم اور دلکش تھی جس نے بول چال کے انداز کو نثر میں رواج دیا۔ اس سے نثر زیادہ مؤثر اور قابلِ فہم بن گئی۔

جواب: فارسی اور دیگر زبانوں سے داستانوں کے تراجم نے اردو کے ذخیرہ؟ الفاظ اور اسلوب کو مالا مال کیا۔ اس عمل سے اردو نثر میں ادبی وسعت پیدا ہوئی۔

جواب: داستانوں کی عوامی مقبولیت نے نثر کو عام لوگوں تک پہنچایا۔ اس طرح اردو نثر ایک مضبوط اور زندہ ادبی روایت بنی۔

جوابات: (۱۔تخلیق،۲۔دکھائی،۳۔طوطی نامہ،۴۔اورنگ زیب،۵۔دیکھنے کو،۶۔۱۷۳۱ء)

4.9۔ امدادی کتب:۔

۱۔وقار عظیم	داستان سے افسانے تک
۲۔ابن کنول	داستان سے ناول تک
۳۔اطہر پرویز	داستان کا فن
۴۔سید احتشام حسین	اردو ادب کی تنقیدی تاریخ
۵۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری	اردو نثر کا فنی ارتقا

سبق نمبر: ۵:۔ دکن میں اردو داستان کی روایت

ساخت:۔

5.0 اغراض ومقاصد
5.1 تعارف
5.2 دکن میں اردو داستان کی روایت
5.3 داستان سب رس
5.4 خلاصہ
5.5 فرہنگ
5.6 نمونہ امتحانی سوالات
5.7 مشقی سوالات
5.8 مشقی سوالات کے جوابات
5.9 امدادی کتب

5.0۔ اغراض ومقاصد:۔

اس سبق سے آپ یہ سیکھیں گے کہ دکن میں داستان کیا ہے اور اس کی روایت کیسے قائم ہوئی۔

آپ دکنی داستانوں کے ذریعے تفریح کے ساتھ اخلاقی، سماجی اور تہذیبی اقدار کو سمجھ سکیں گے۔

آپ یہ جان سکیں گے کہ دکنی داستانوں میں تخیل، رومان اور مافوق الفطرت عناصر کس طرح بیان کیے گئے ہیں۔

اس سبق کا مقصد یہ ہے کہ آپ دکن کے سماجی ماحول اور ادبی شعور کو داستانی ادب کے ذریعے پہچان سکیں۔

5.1 ۔تعارف

داستان افسانوی ادب کی قدیم ترین صنف ہے۔ بیسویں صدی کے اوائل تک یہ صنف عوام وخاص میں بہت مقبول رہی ہے۔جس طرح اٹھارویں اور انیسویں صدی میں غزل کے علاوہ مثنوی،قصیدے اور مرثیہ کو عروج حاصل تھا۔افسانوی نثر میں داستان بھی اہم ترین صنف سمجھی جاتی تھی۔داستان سب رس،قصہ مہر افروز ودلبر،نوطرز مرصع،عجائب القصص،فسانہ عجائب،بوستان خیال اور داستان امیر حمزہ کو بہت زیادہ مقبولیت حاصل تھی۔اور پھر فورٹ ولیم کالج میں لکھی گئی داستانوں مثلاً ''باغ وبہا'' آرائش محفل،مذہب عشق وغیرہ نے اردو کے داستانوی ادب میں اضافہ کیا۔

5.2۔دکن میں اردو داستان کی روایت

دکن کی سرزمین میں بہمنی سلطنت کے خاتمے کے بعد پانچ سلطنتوں کے قیام میں گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کو شعروادب کی ترقی کا اعزاز حاصل ہے اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ قطب شاہی بادشاہوں نے ہی نہیں، بلکہ اس دور کے دربار سے وابستہ اہل ذوق نے بھی دکن میں شاعری کی اور عام شاعروں نے بھی دکنی میں اظہار خیال کر کے شعر گوئی اور نثر نگاری کو فروغ دیا۔قطب شاہی دور کے دو بڑے اہم شاعروں کی حیثیت سے ملا وجہی اور غواصی کا نام پیش کیا جاتا ہے۔غواصی کے مقابلے میں وجہی کو افضلیت اس لئے حاصل ہو جاتی ہے کہ، ملا وجہی کو چار بادشاہوں کا دور دیکھنے کا موقع ملا اور اسے سلطان محمد قلی قطب شاہ کے دوست اور عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے ملک الشعراء کے خطاب سے نوازے جانے کا شرف بھی حاصل ہے۔دکن کی سرزمین میں ہی نہیں بلکہ ساری اردو نثری تاریخ میں ملا وجہی کی لکھی ہوئی نثری، تمثیل قصے پر مبنی کتاب ''سب رس'' کو اردو کی اولین داستان کا درجہ صاصل ہے۔اس نثری کتاب میں ہر قسم کی خصوصیت کو شامل کر کے ملا وجہی نے حسن وعشق کی داستان ہی بیان نہیں کی، بلکہ پند ونصائح اور انشاپردازانہ اسلوب اختیار کر کے ''سب رس'' جیسی کتاب کو داستان سے زیادہ انشائیہ اور انسانی نفسیات سے قریب مسائل کو پیش کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ملا وجہی نے فارسی کے شاعر یحیٰ ابن سیبک فتاحی کی لکھی ہوئی کتاب ''دستورالعشاق'' کے دکنی ترجمے کے دوران اپنی انفرادیت اور جدت پسندی کو شامل کر کے اس کتاب کو بلاشبہ ہمہ رنگی اظہاریت کا وسیلہ بنا دیا ہے۔ایک نثر نگار کی حیثیت سے ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ ''قصہ حسن ودل'' کو تمثیلی کرداروں سے وابستہ کر کے تہذیب واخلاق اور

مذہب وثقافت کی حقیقت کونمائندگی دی ہے۔''سب رس'' میں اس کا طرز تحریر مسجع اور مقفی ہے جس طرح ایک طبع زاد کتاب میں فکر وفن کی گہرائی اور گیرائی کے علاوہ دانشورانہ فکر کو جگہ دی جاتی ہے، اسی طرح ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ دو اہم کرداروں یعنی زنانہ کردار حسن اور مردانہ کردار دل کے قصے کو بیان کر کے قصہ گوئی کا حق ادا کیا ہے، جس طرح ملا وجہی نے ''سب رس'' کے ذریعہ نثر میں منفرد کارنامہ انجام دیا، اسی طرح اس نے شاعری میں طبع زاد قصہ منظوم کر کے مشہور مثنوی ''قطب مشتری'' لکھی۔ جس میں حقیقی قصہ بیان کرتے ہوئے بادشاہ وقت سلطان محمد قلی قطب شاہ اور اس کی محبوبہ مشتری کے عشقیہ انداز کو نمائندگی دی ہے۔ غرض ملا وجہی جس طرح ''سب رس'' میں انفرادی مقام رکھتا ہے، اسی طرح شاعری میں بھی مثنوی نگاری کے توسط سے اہم کارنامہ انجام دینے کا ضامن قرار پاتا ہے۔ وجہی غزل کے شاعر کی حیثیت سے بھی شہرت رکھتا ہے اور اس نے حمد ونعت ومنقبت ہی نہیں بلکہ مرثیے، غزلیں اور رباعیات میں بھی طبع آزمائی کی۔ اس کی مثنوی ''قطب مشتری'' ۱۰۱۸ھ م ۱۶۰۹ء اور ''سب رس'' ۱۰۴۵ھ م ۱۶۳۵ء میں مکمل ہوئی۔ اس نے قطب شاہی دور کے چار بادشاہوں یعنی ابراہیم قطب شاہ، محمد قلی قطب شاہ اور محمد قطب شاہ کے علاوہ عبداللہ قطب شاہ کے دور میں زندگی گذاری۔ اس کی تاریخ پیدائش کا پتہ نہیں چلتا، البتہ یہ اندازہ ہوتا ہے کہ ۱۰۷۰ھ م ۱۶۵۹ء کے دوران اس کی وفات ہوئی ہوگی اور اس کی تدفین حضرت سید حسن برہنہ شاہ صاحب کی درگاہ میں ہوئی۔ عبداللہ قطب شاہ، اولیاء کا بڑا معتقد تھا اور عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں ہی وجہی کا انتقال ہوا۔ دکن کے شاعروں میں وجہی کو اس لئے خوش نصیب شاعر قرار دیا جاتا ہے کہ اس نے بیک وقت منظوم کارناموں کے ساتھ ساتھ نثری کارناموں کی وجہ سے اردو دنیا میں شہرت حاصل کی۔ اس کی مثنوی کی تصنیف پہلے ہوئی اور بعد میں ''سب رس'' لکھی گئی۔ قلی قطب شاہ کے دور میں ''قطب مشتری'' کی تدوین اور ملا وجہی کا فارسی دیوان مرتب ہوا عبداللہ قطب شاہ کے دور میں ''سب رس'' کی تکمیل عمل میں آئی۔

5.3 ۔داستان سب رس:۔

شعر وادب کی دنیا کے مایہ ناز شاعر کی حیثیت سے ہی نہیں، بلکہ کامیاب داستانوی نثر نگار کے علاوہ انشائیہ نگار کی حیثیت سے ملا وجہی کا مقام ومرتبہ کافی بلند ہے۔ وجہی کی نثری کوشش کو اس لئے اہمیت دی جاتی ہے کہ اس نے سولھویں صدی میں زندگی گزاری اور اس کی حیات کا بہت بڑا حصہ گولکنڈہ میں گذرا۔ اس دور تک فارسی شاعری کے نمونے تو دستیاب تھے، لیکن نثر کے نمونوں کو حاصل کرنا سخت دشوار تھا۔ ملا وجہی نے ایک تجربہ کار اور ضعیف العمر شخص کی حیثیت سے نثری کارنامہ انجام دیا۔ ''سب رس'' کی تحریر بلاشبہ عبداللہ شاہ کی فرمائش کا نتیجہ ہے۔ عبداللہ قطب شاہ کا اقتدار ۱۶۲۵ء سے وابستہ ہے۔ اس کے دور میں دکنی کے دوسرے شعراء بھی اہمیت کے حامل ہو چکے تھے۔ ملا وجہی کے علاوہ غواصی کو بھی شہرت

حاصل ہوچکی تھی۔عبداللہ قطب شاہ کے دربار سے وابستہ شاعروں میں ابن نشاطی،افضل اورطبعی بھی شامل تھے۔عبداللہ قطب شاہ کے اقتدار کے آغاز یعنی ۱۶۲۵ء کے صرف ۱۰سال بعد یعنی ۱۶۳۵ء میں ''سب رس'' کا وجود ہوا۔اس نثری داستان میں ملاوجہی نے رمز کی کیفیت کو بھی شامل کیا ہےاوراس کے ساتھ تمثیل نگاری کے طرز کو بھی برتا ہے۔ڈاکٹر جاوید وششت نے ملاوجہی کی ''سب رس'' سے منتخب کر کے جو کتاب ''ملاوجہی کے انشائیے'' پیش کی ہے۔اس سے خود انداز ہوتا ہے کہ ملاوجہی نے اپنی نثری کتاب ''سب رس'' کو داستان کی حیثیت سے پیش کیا اوراس داستان میں تمثیل کا انداز یہ ثابت کرتا ہے ملاوجہی کا نثری اسلوب اسے بیک وقت افسانوی نثر کا علمبردار بناتا ہےتو اسی افسانوی نثر میں ملاوجہی نے کمال کا مظاہرہ کرتے ہوئے غیر افسانوی نثر کی خصوصیت کو شامل کر کے انشائیہ کی خصوصیت کو بھی شامل کرلیا ہے۔جس کے نتیجے مین ملاوجہی بیک وقت افسانوی نثر نگار ہی نہیں، بلکہ ایک ہی کتاب کے ذریعہ غیر افسانوی نثر کو نمائندگی دینے کا علمبردار قرار پاتا ہے۔ملاوجہی کی نثر کا کمال یہی ہے کہ اس نے دکنی زبان کی روایات کو اپنے اظہار کا ذریعہ بناتے ہوئے بیک وقت ''سب رس'' کی نثر کو قصہ گوئی کی نثر یعنی افسانویت اور حقیقت پسندانہ نثر یعنی غیر افسانویت کو بھی ایک ہی کتاب میں شامل کر کے زبان پر اپنی گرفت اور اظہار کی قوت کو نمائندگی دی ہے۔عام طور پر قصہ،کہانی کی نثر میں بیانیہ اور غیر افسانوی نثر میں بیانیہ کے بجائے وضاحت کی روش کو اختیار کیا جاتا ہے جس کے انداز کی تبدیلی کی وجہ سے افسانوی نثر اور غیر افسانوی نثر کی امتیازی خصوصیت واضح ہوتی ہے۔ملاوجہی کا کمال یہی ہے کہ اس نے ''سب رس'' کو نثری داستان کی حیثیت سے پیش کرنے کے دوران تحریر کا روایتی اسلوب یعنی مسجع اور مقفع طرز کو رواج دیا ہے۔

5.4۔عمومی جائزہ:۔

ملاوجہی کے روبرو نثر لکھنے کی کوئی مثال موجود نہیں تھی،اس نے اپنی ذہانت اور صلاحیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نثر کے منفرد انداز کو اختیار کیا ۔خود ملاوجہی نے سب رس کے دیباچے میں وضاحت کردی ہے کہ وہ ایک منفرد قصہ منفرد اسلوب میں پیش کر رہا ہے۔،یہی وجہ ہے کہ ملاوجہی نے ''سب رس'' کے اسلوب میں ندرت اور جدت کے علاوہ فطری ذہانت کو شامل کر کے ''سب رس'' کے اسلوب کو حد درجہ نمائندہ بنادیا، جس میں فارسی مقولے،قرآنی آیات اوراحادیث کے عربی فقرے ہی نہیں، بلکہ نامور اساتذہ کے ملفوظات کو شامل کر کے نثر کی ایسی خصوصیت کو دکنی ادب کا وسیلہ بنایا،جس میں ہر قسم کا رس اور ہر قسم کی خصوصیت شامل ہے،اسی لئے ملاوجہی نے اپنی کتاب کو خصوصیت کی بنیاد پر ''سب رس'' کا عنوان دے کراس کے ذریعہ قصہ،کہانی کی نثر اوراس کے ساتھ ہی دنیا کی حقیقتوں کی نثر کو نمائندگی دی ہے۔داستانوی نثر کو جہاں تخلیقیت اور قصہ گوئی سے وابستہ کر کے تمثیل کے حسن کو نمایاں کیا ہے،وہیں غیر افسانوی نثر کی صنف انشائیے کی فطری ترنگ کو نثر میں جگہ دے کرافسانوی وغیر

افسانوی نثر کے امتزاج کو یکجا کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلوب کی بنیاد پر ملا وجہی کو طرز تحریر کا شہنشاہ اور اظہار کا فرماں روا قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔اس ملے جلے اسلوب کی بھرپور نمائندگی ملا وجہی نے اپنی نثری کتاب ''سب رس'' میں پوری خصوصیت کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے دکن میں داستان کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 5.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہ پر کیجیے:۔

۱۔داستانوی نثر کو جہاں تخلیقیت اور قصہ گوئی سے وابستہ کر کے ۔۔۔۔۔کے حسن کو نمایاں کیا ہے،

۲۔وہیں غیر افسانوی نثر کی صنف۔۔۔۔۔کی فطری ترنگ کو نثر میں جگہ دے کر افسانوی وغیر افسانوی نثر کے امتزاج کو یکجا کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اسلوب کی بنیاد پر ملا وجہی کو طرز تحریر کا شہنشاہ اور اظہار کا فرماں روا قرار دیا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

۳۔اس ملے جلے اسلوب کی بھرپور نمائندگی ملا وجہی نیا پنی نثری کتاب۔۔۔۔میں پوری خصوصیت کے ساتھ شامل کر دیا ہے۔

5.5۔فرہنگ

تمثیل	کوئی واقعہ مثالی انداز میں بیان کرنا
انشا پرداز	مضمون نگار
منظوم	شعر کی صورت میں ڈھالا ہوا
طبع زاد	ذاتی،شخصی
مقفع	وہ تحریر جس میں قافیہ کا استعمال کیا گیا ہو
مسجع	وہ عبارت جو سجائی گئی ہو۔تکلف اور رنگین عبارت

5.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔دکن میں داستان کا آغاز وارتقاء؟

۲۔اردو داستان میں ''سب رس'' کے مقام پر تفصیل سے گفتگو کریں؟

5.7۔مشقی سوالات:۔

سوال۔ا:۔دکن میں اردو داستان کے فروغ میں کن عناصر اور خصوصیات نے اہم کردار ادا کیا؟

سوال۔۲:۔دکنی داستانوں کا دکن کے سماجی اور تہذیبی ماحول سے کیا تعلق ہے؟

5.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب۔ا:۔دکن کی اردو داستان میں تخیل، رومان، مافوق الفطرت عناصر اور عوامی زبان نے اہم کردار ادا کیا۔ان داستانوں کے ذریعے عوام کی تفریح کے ساتھ ساتھ اخلاقی اور تہذیبی اقدار کو بھی فروغ ملا۔

جواب۔۲:۔دکنی داستانیں دکن کے سماجی حالات، رسوم و رواج اور عوامی زندگی کی عکاسی کرتی ہیں۔ان کے ذریعے اس دور کے تہذیبی شعور اور معاشرتی اقدار کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

جوابات:۔(ا۔تمثیل،۲۔انشائیے،۳۔سب رس)

5.9۔امدادی کتب:۔

ا۔گیان چند جین	اردو کی نثری داستانیں
۲۔وقار عظیم	ہماری داستانیں
۳۔کلیم الدین احمد	اردو زبان اور فن داستان گوئی

سبق نمبر:٦ :۔ملا وجہی بحیثیت داستان نگار

ساخت:۔

6.0 اغراض ومقاصد
6.1 تعارف
6.2 ملا وجہی بحیثیت داستان نگار
6.3 ملا وجہی اور داستان سب رس
6.4 عمومی جائزہ
6.5 فرہنگ
6.6 نمونہ امتحانی سوالات
6.7 مشقی سوالات
6.8 مشقی سوالات کے جوابات
6.9 امدادی کتب

6.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:

ملا وجہی کی داستان نگاری کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔

ملا وجہی کی مشہور داستان ''سب رس'' کی ادبی اہمیت سے آگاہ ہوں گے۔

ملا وجہی کے داستانی اسلوب اور اس کی نمایاں خصوصیات کو سمجھیں گے۔

داستان میں موجود اخلاقی اور فکری پہلوؤں کا مطالعہ کریں گے۔

دکنی ادب میں ملا وجہی کے مقام اور خدمات سے واقف ہوں۔

6.1۔تعارف:۔

داستان اردو ادب کی ایک اہم صنف ہے۔اس کا تعلق فکشن (افسانوی ادب) کے زمرے سے ہے۔داستانیں نظم میں بھی لکھی گئی ہیں اور نثر میں بھی۔اردو میں اولاً منظوم داستانیں لکھی گئیں، جو مثنوی کی ہیئت میں ہیں۔ان کا آغاز دکنی مثنویوں سے ہوا۔اردو کی پہلی مثنوی نظامی بیدری کی ''کدم راؤ پدم'' راوٗی الاصل ایک داستانی مثنوی ہے۔منظوم داستانوں کی طرح نثری داستانوں کا آغاز بھی دکنی زبان میں ہوا۔اردو کی پہلی نثری ''داستان سب رس'' ہے، جو گولکنڈے کی قطب شاہی سلطنت کے ملک الشعرا وجہی کی تصنیف ہے۔

6.2۔ملا وجہی بحیثیت داستان نگار:۔

ملا وجہی دکنی ادب کے ایک اہم اور ممتاز شاعر تھے۔وہ گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت سے وابستہ تھے اور وہاں کے حکمران سلطان محمد قلی قطب شاہ کے درباری شاعر تھے۔ان کا شمار ملک کے بڑے شعرا میں ہوتا تھا۔ان کی شاعری کے بارے میں تو معلومات ملتی ہیں، لیکن ان کی زندگی کے حالات کے متعلق زیادہ تفصیل دستیاب نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں شعرا کے حالات اور تاریخی واقعات کو قلم بند کرنے کا رواج عام نہیں تھا۔اسی لیے ملا وجہی کی پیدائش اور وفات کے بارے میں بھی یقینی معلومات نہیں ملتیں۔محققین کے مطابق ملا وجہی کی پیدائش سلطان ابراہیم قطب شاہ کے دورِ حکومت میں 1550ء سے 1580ء کے درمیان ہوئی۔

وجہی کی تصانیف کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنے وقت کا بڑا عالم و فاضل اور صاحب دانش انسان تھا۔اسلامی علوم، قرآن، حدیث، تصوف وغیرہ میں مہارت تبحر تھا۔عربی کے علاوہ اسے فارسی زبان میں بھی مہارت حاصل تھی۔چوں کہ فارسی اس کے آبا و اجداد کی زبان تھی اس لیے وہ فارسی شعر و ادب کی باریکیوں اور رموز و نکات سے خوب واقف تھا۔اپنی شاعری میں اس نے فارسی کے اساتذہ سخن حافظ شیرازی، امیر خسرو، خاقانی، خواجہ حسن سجزی، کمال خجندی وغیرہ کو بڑی محبت اور احترام سے یاد کیا ہے۔عربی فارسی کے علاوہ وجہی کو دکنی زبان پر عبور حاصل تھا۔وہ دکنی زبان، گوالیری (برج بھاشا) اور زبان ہندوستاں میں فرق کرتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ شمالی ہند کی بعض بولیوں سے واقف

تھا۔اس کے علم وفضل کی وجہ سے بعد کے زمانے کی تاریخوں میں اسے ''ملا'' کے احترامی لقب سے یاد کیا گیا ہے۔

وجہی نے دکنی زبان میں شاعری کا آغاز کیا تو اس وقت گولکنڈہ میں فیروز،محمود اور ملا خیالی جیسے پیش رو اساتذہ سخن کے چرچے تھے لیکن وجہی نے شاعری میں شاید کسی استاد کے آگے زانوے ادب تہہ نہیں کیا۔وہ شاعری میں کسی کو استاد نہیں مانتا تھا۔تاہم اس نے مثنوی قطب مشتری کے تمہیدی حصے میں گولکنڈہ کے دو اساتذہ سخن فیروز اور محمود کے کمال کو تسلیم کیا ہے، جو اُس وقت زندہ نہیں تھے۔وجہی کو اپنے علم وفضل،فکر تخیل اور کمال فن پر بڑا ناز تھا جو غرور اور تکبر کے درجے کو پہنچا ہوا تھا۔جس زمانے میں اس کی شاعری کی نشو ونما ہوئی اس زمانے میں گولکنڈے میں دکنی زبان میں شعر وسخن کا ذوق عام ہو رہا تھا اور بعض اچھے شاعر بھی پیدا ہو چکے تھے لیکن وجہی کسی کو خاطر میں نہیں لاتا بلکہ سب کو ہیچ سمجھتا ہے۔اس نے اپنی شعری اور نثری تصانیف میں دوسرے شاعروں کی تحقیر و مذمت کی ہے اور جی بھر کے خودستائی،خودنمائی اور تعلّی کا مظاہرہ کیا ہے۔اپنی شاعری کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے وہ فخریہ کہتا ہے:

کہ باتاں یو سن کر میری گیان کیاں
رھیاں تھک ہو قمریاں خراساں کیاں
جتے شاعر اس شاعر ہو آئیں گے
سو منج تے طرز شعر کا پائیں گے

اردو زبان وادب کی تاریخ پر اگر نظر ڈالیں تو قدیم سرمایہ میں شاعری کا حصہ زیادہ ملتا ہے۔نثر کی مثالیں بہت کم دکھائی دیتی ہیں۔اسی دھند لکے میں ایک بڑا نام ملا اسداللہ وجہی کا ہے جن کی تصنیف ''سب رس'' اردو نثر کی پہلی با قاعدہ ادبی تصنیف مانی جاتی ہے۔جو اردو زبان میں اردو نثر کا زندہ وجاوید نمونہ ہے۔اسے دکنی ادب کا شاہ کار بھی تسلیم کیا جاتا ہے۔وجہی کی زندگی کے بارے میں زیادہ معلومات فراہم نہیں ہوتیں۔قدیم شعراء کے حالات کو جاننے کا واحد ذریعہ اس عہد کے تذکرے یا پھر خود مصنف کا بیان ہوتا ہے۔لیکن وجہی کے متعلق نہ کوئی تذکرہ بیان کرتا ہے اور نہ خود وجہی کچھ تفصیل بتاتے ہیں۔وجہی کا اصل نام اسداللہ تھا۔وجہی تخلص کرتے تھے جسے وجہی یا وجیہہ بھی لکھا گیا ہے۔وجہی گولکنڈہ میں ۹۷۴ھ یعنی ۱۵۶۶ء کے آس پاس پیدا ہوئے۔ان کا آبائی وطن خراسان تھا جس کے بارے میں انھوں نے کہا ہے۔

من زہند آشکار گشتم لیک
طبع پاک من از خراسان است

وجہی کا زمانہ قطب شاہی دور کا زمانہ ہے۔ان کی شاعری کا آغاز ابراہیم قطب شاہ (۹۵۷ھ تا ۹۸۸ھ) کے زمانے میں ہوتا ہے۔ ابراہیم کے بعد محمد قلی قطب شاہ بادشاہ بنتا ہے جوخود بھی صاحب دیوان شاعر تھا۔وجہی نے اسی بادشاہ کے عشق کی داستان ''قطب مشتری'' کے نام سے تصنیف کی ہے۔''قطب مشتری'' کا زمانہ تصنیف ۱۰۱۸ ہجری ہے اور قلی قطب شاہ کا انتقال ۱۰۲۰ ہجری میں ہوتا ہے۔قلی قطب شاہ کے بعد محمد قطب شاہ بادشاہ بنتا ہے اور اس کے بعد عبداللہ قطب شاہ کے زمانے میں بادشاہ کی فرمائش پر وجہی ''سب رس'' قلمبند کرتے ہیں۔وجہی نے چار سلاطین کا عہد دیکھا۔اگر چہ ابتدائی زندگی ان کی کچھ پریشانی میں گزری لیکن بعد میں 'ملک الشعرا' کے خطاب سے نوازے گئے بلکہ دربار سے وابستہ بھی رہے۔۱۰۷۰ ہجری یعنی ۱۶۶۰ء کے آس پاس وجہی کا انتقال ہوا۔

6.3۔ملا وجہی اور داستان سب رس:۔

وجہی نے ''سب رس'' کی تصنیف سلطان عبداللہ کی فرمائش پر کی جیسا کہ خود انہوں نے اس داستان کے آغاز میں لکھا ہے۔یہ وجہی کی طبع زاد تصنیف نہیں ہے بلکہ دستور عشاق اور قصہ حسن و دل سے استفادہ کیا ہے مگر وجہی کا مخصوص اسلوب اس داستان کو چار چاند لگا دیتا ہے۔وجہی کو اردو میں ادبی نثر کی تصنیف میں اولیت کا فخر اسی داستان سے ملا۔خوبی کی بات یہ ہے کہ پہلی نثری کتاب ہونے کے باوجود انہوں نے اپنا علم وفضل اپنی زبان دانی کے سبب اسے مکمل ادبی نمونہ بنا کر پیش کیا ساتھ ہی داستان کے فن کے تمام لوازمات کو بخوبی برتا ہے۔داستان کا ایک اہم وصف رجائیت ہے۔رجائیت سے مراد امید اور خوش بینی کا وہ جذبہ ہے جو نا امیدی کو امید میں، محرومی کو کامیابی میں اور تکالیف کو راحت میں بدل دیتا ہے۔اس کے ذریعے انسان اپنی خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل کے لئے اپنی بہترین خوبیوں سے کام لیتا ہے۔اصلاً داستان بھی خوابوں ہی کی دنیا کا ایک حصہ ہے۔جس سے انسان اپنی مرادیں پوری کر لیتا ہے اور خوابوں کی جنت میں ہوآتا ہے۔''سب رس'' میں وجہی نے اپنے خیالات کو داستان کے پردے میں پیش کیا ہے۔داستانوی نقطہ نظر سے بھی سب قابل قدر حد تک کامیاب ہے۔

داستان کا ایک فن طول بیانی ہے اور یہ طول بیانی اسی وقت ممکن ہے، جب داستان گو کو قوت بیان پر قدرت حاصل ہو۔اس کے پاس الفاظ کا ذخیرہ ہو۔وجہی کے یہاں یہ خصوصیات موجود ہیں،ان کے پاس الفاظ کا خزانہ بھی ہے اور بیان پر بے پناہ قدرت بھی،ان کی زبان عام فہم زبان ہے۔پوری کتاب ویسے تو مقفع مسجع انداز میں تحریر کی گئی ہے۔لیکن سلاست اور سادگی کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔وجہی کے بیان میں دریا کا سا بہاؤ ہے۔ان کی تشبیہات واستعارات اور قافیہ پیمائی ان کی روانی اور بے ساختگی میں رکاوٹ نہیں بنتی۔ وجہی ایک مشاق داستان گو کی طرح ہر منظر یا واقعہ کو مفصل بیان کرتا ہے،وجہی کی انشا پردازانہ طبیعت پر موضوع کی تفصیل کی طرف راغب ہوتی ہے۔وجہی کے پلاٹ

دوسری داستانوں کے مقابلے میں زیادہ مربوط ہے۔اس کی کہانی حقیقت سے نزدیک لگتی ہے اوراس میں مافوق الفطری عناصر بھی موجود ہیں۔

وجہی ایک اچھا کردار نگار بھی ہے، اس کے کردار خاصے متحرک نظر آتے ہیں۔اور ہر کردار کی الگ الگ اپنی شخصیت اور اہمیت ہے۔منظر نگاری کے سلسلے میں وجہی نے ایسا دل کش نقشہ کھینچا ہے جیسے وہ ہمارے سامنے گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔جو ایک اچھے داستان گو کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے۔دوسری داستانوں کی طرح اس میں وجہی نے عشق کا بیان کیا ہے۔جس میں اخلاقی حکیمانہ ومتصوفانہ خیالات کی مینا کاری بھی کی ہے۔ معاشرت کی مرقع کشی کرنے کا انداز نہایت ہی نرالا ہے۔یہ سب وہی شخص کرسکتا ہے جس کے اندر ایک ہمہ گیر فکر ہو، مشاہدات وتجربات کا وسیع خزانہ ہو۔ساتھ ہی ساتھ بیان پر قدرت حاصل ہو، اور یہ تمام خوبیاں وجہی کے ہاں موجود ہیں۔جو ایک کامیاب داستان گو کی علامت کہی جاسکتی ہے۔''سب رس'' کی زبان تقریباً تین سوسال سے زیادہ پرانی ہونے کے باوجود اب بھی اسی چاؤ سے پڑھی جاتی ہے اور چند الفاظ وعلائم کو چھوڑ کر آج بھی یہ قابل فہم ہے۔وجہی کے اسلوب میں قافیہ پیمائی کا التزام بھی ملتا ہے مگر عبارت میں پیچیدگی پیدا نہیں ہوتی لیکن قافیہ کے التزام سے اکثر عبارت میں پیچیدگی ہو جاتی ہے لیکن وجہی نے اپنی مقفیٰ عبارت کو اس فصاحت، روانی اور سلاست کے ساتھ لکھا ہے کہ اس کے پڑھنے میں ایک آہنگ پیدا ہو جاتا ہے جو پر لطف ہوتا ہے۔چھوٹے جملوں میں وہ بڑے کام کی باتیں کہہ جاتا ہے۔یہ صحیح ہے کہ اس کی زبان بہت پرانی ہے اور اس کے بہت سے پرانے الفاظ اور محاورے آجکل سمجھ میں نہیں آتے لیکن بقول مولوی عبدالحق:۔

''اس میں نہ مصنف کا قصور ہے اور نہ اس سے کتاب کی خوبی پر کوئی حرف آسکتا ہے''۔

وجہی نے اپنے زمانے کی نہایت بامحاورہ اور فصیح زبان لکھی ہے۔وجہی اپنے زمانے کے مروجہ علوم سے بہرہ ور تھا، عربی اور فارسی میں کما حقہ دست گاہ رکھتا تھا، فنکار بھی تھا، فارسی اور دکنی اردو میں شعر خوب کہہ لیتا تھا، ساتھ ہی طویل عمری کے باعث دنیاداری کے معاملات میں بھی وہ بڑا تجربہ کار تھا۔اس لیے جہاں الہیات کے موضوعات پر فلسفہ کے اسرار کی قرآن وحدیث کی آیتیں اور جملے نقل کر کے اپنے مباحث کی موشگافی کی ہے وہیں اس نے دنیاداری کے معاملات پر بھی سعدی کی طرح بڑے تجربے کی باتیں لکھی ہیں۔چھوٹے چھوٹے فقروں میں بڑی دانائی کی باتیں کہہ دی ہیں۔مثلاً''انسان یعنی گیان، جس میں نہ کچھ گیان نیں و حیوان۔اگر خدا کوں پچھانے منگتا ہے تو انسان کو پیچھان۔انجانتا بیچارہ بھلا، جانتے پر پرے بلا۔ بڑائی مفت نہیں آتی، جتنی ہمت اتنی بڑائی۔اپنا جیو خوش تو زمین آسمان خوش، اپنا جیو خوش تو سب جہان خوش، آفتاب سب پر توسٹتا، ولے جسمیں جو ہر ہوتا وچہ جو ہر ہوتا''۔غرض کہ اس طرح کے بہت سے فقرے ہیں جو اگر مروجہ زبان میں ہوتے تو ضرب المثل بن سکتے تھے۔جگہ جگہ اپنے اس قسم کے فقرات کے علاوہ اس نے دکنی، گجراتی، مرہٹی، ہندی اور فارسی ضرب الامثال کا استعمال کیا ہے۔اسی طرح

جگہ جگہ اس نے اپنے اشعار فارسی کے اشعار اور ہندی کے دوہوں سے بھی اپنی عبارتوں کو مزین کیا ہے۔ سب رس میں فارسی اور ہندی تشبیہوں، استعاروں، ترکیبوں، فقروں اور لفظوں کا بہت رواں، دلچسپ اور نادر سنگم ملتا ہے اور کثرت سے ملتا ہے۔ ہندی تمدن اور تہذیب کی چھاپ بھی ہر جگہ نظر آتی ہے۔

6.4۔عمومی جائزہ:۔

ملا وجہی دکنی ادب کے نمایاں شاعر اور نثر نگار تھے۔ اردو زبان و ادب کی تاریخ میں ان کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جنہوں نے دکنی نثر کو ادبی وقار عطا کیا۔ داستان نگاری کے میدان میں بھی ان کی خدمات نہایت اہم ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف ''سب رس'' دکنی ادب کی ایک اہم اور نمائندہ داستان ہے، جس میں قصہ، تمثیل، تصوف اور اخلاقی تعلیمات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ اس داستان کے ذریعے وجہی نے نہ صرف داستانی روایت کو آگے بڑھایا بلکہ دکنی زبان کی ادبی صلاحیتوں کو بھی نمایاں کیا۔ وجہی کی داستان نگاری کی سب سے نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں محض تفریح یا قصہ گوئی ہی نہیں بلکہ اخلاقی اور فکری پہلو بھی شامل ہیں۔ ''سب رس'' میں عشقِ مجازی کے ساتھ ساتھ عشقِ حقیقی، انسانی صفات، اخلاقی اقدار اور روحانی تصورات کو بھی بڑی خوبصورتی سے پیش کیا گیا ہے۔ اس داستان کے کردار اور واقعات دراصل تمثیلی انداز رکھتے ہیں جن کے ذریعے مصنف انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور اخلاقی قدروں کو واضح کرتا ہے۔ اس طرح یہ داستان صرف ایک قصہ نہیں بلکہ ایک فکری اور اخلاقی پیغام بھی اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

وجہی کے اسلوب کی ایک اہم خوبی سادگی اور روانی ہے۔ انہوں نے دکنی زبان کو عام فہم انداز میں استعمال کیا ہے، جس کی وجہ سے ان کی تحریر میں دلکشی اور تاثیر پیدا ہوگئی ہے۔ ان کے بیان میں تمثیل، تشبیہ اور استعارات کا استعمال بھی ملتا ہے، لیکن یہ اس قدر فطری ہے کہ عبارت میں تصنع محسوس نہیں ہوتا۔ ان کی نثر میں شعریت بھی پائی جاتی ہے جس سے داستان کا اسلوب مزید دلکش بن جاتا ہے۔ داستان کے بیان میں وجہی واقعات کو مربوط انداز میں پیش کرتے ہیں اور کرداروں کے ذریعے اپنے خیالات اور تصورات کو واضح کرتے ہیں۔ ان کی تحریر میں زندگی، اخلاق اور انسانی جذبات کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ''سب رس'' کو دکنی ادب میں ایک منفرد مقام حاصل ہے اور اسے اردو داستان نگاری کی ابتدائی اور اہم مثالوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ملا وجہی نے اپنی داستان نگاری کے ذریعے دکنی ادب کو ایک نئی جہت عطا کی۔ ان کی داستان میں فکری

گہرائی، اخلاقی تعلیم اور ادبی حسن تینوں عناصر یکجا نظر آتے ہیں۔اسی بنا پر ملا وجہی کو دکنی داستان نگاری کے اہم اور نمایاں ادیبوں میں شمار کیا جاتا ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے ملا وجہی بحثیت داستان گو کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکا لیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 6.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشان دہی کریں:۔

۱۔ملا وجہی دکنی ادب کے ایک اہم اور ممتاز شاعر تھے۔وہ عادل شاہی سلطنت کی قطب شاہی سلطنت سے وابستہ تھے اور وہاں کے حکمران سلطان محمد قلی قطب شاہ کے درباری شاعر تھے۔

۲۔ان کا شمار ملک کے بڑے شعرا میں ہوتا تھا۔ان کی شاعری کے بارے میں تو معلومات ملتی ہیں،لیکن ان کی زندگی کے حالات کے متعلق زیادہ تفصیل دستیاب نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں شعرا کے حالات اور تاریخی واقعات کو قلم بند کرنے کا رواج عام نہیں تھا۔اسی لیے ملا وجہی کی پیدائش اور وفات کے بارے میں بھی یقینی معلومات نہیں ملتیں۔۳۔محققین کے مطابق ملا وجہی کی پیدائش سلطان عبداللہ قطب شاہ کے دورِ حکومت میں 1550ء سے 1580ء کے درمیان ہوئی۔

6.5۔فرہنگ:۔

تبحر	دریا جیسا ہونے کی صفت، بڑا عالم ہونا
تصنیف	طبیعت سے کوئی مضمون یا کتاب لکھنا
رموز و نکات	باریکیاں، اہم باتیں
تحقیر	بے قدری یا توہین کرنا
طبع زاد	فطری طور پر پیدا کیا گیا، نئی ایجاد

انشاپرداز	تحریر،تحریر کرنا
متحرک	حرکت کرنے والا، چلتا پھرتا
تمثیل	مثال،نظیر،کسی واقعہ کا مثالی انداز میں بیان
التزام	خود عائد کردہ شرط یا پابندی،لازم قرار دے لینا

6.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔ملا وجہی کی داستان نگاری کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے اوردکنی ادب میں ان کے مقام ومرتبہ پر روشنی ڈالیے؟

سوال:۲:۔ملا وجہی کی مشہور تصنیف ''سب رس'' کے موضوع،مقصداورادبی اہمیت پر تفصیل سے بحث کیجیے؟

سوال:۳:۔ملا وجہی کے اسلوبِ بیان اورداستان نگاری کی نمایاں خصوصیات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیجیے؟

6.7۔مشقی سوالات:۔

سوال:ملا وجہی کو دکنی ادب میں کس حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے؟

____

____

____

____

____

____

سوال:ملا وجہی کی مشہور داستان کون سی ہے؟

____

____

سوال: سب رس کی بنیادی خصوصیت کیا ہے؟

6.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: ملا وجہی کو دکنی ادب میں ایک اہم شاعر اور داستان نگار کی حیثیت سے یاد کیا جاتا ہے۔

جواب: ملا وجہی کی مشہور داستان سب رس ہے۔

جواب: سب رس میں تمثیلی انداز میں اخلاقی اور فکری مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

جوابات:۔(ا۔غلط،۲۔صحیح،۳۔غلط)

6.9۔امدادی کتب:۔

ا۔سب رس کی تنقیدی تدوین مرتبہ: ڈاکٹر حمیرہ جلیلی

۲۔ملا وجہی کے انشائے جاوید وشسشٹ

۳۔اردو نثر کا آغاز وارتقا	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ
۴۔اردو کی نثری داستانیں	پروفیسر گیان چند جین
۵۔سب رس کا تنقیدی جائزہ	ڈاکٹر منظر اعظمی
۶۔تاریخ ادب اردو	ڈاکٹر جمیل جالبی

سبق نمبر:۷:۔سب رس۔متن کی تدریس

(آغاز داستان زبان ہندوستان تا القصہ اگر تج میں کچھ زور اچھے گا تج سوں صلح پر ہوے گا راضی)

ساخت:۔

7.0 اغراض ومقاصد
7.1 تعارف
7.2 سب رس۔متن کی تدریس:۔آغاز داستان زبان ہندوستان
7.3 القصہ اگر تج میں کچھ زور اچھے گا تج سوں صلح پر ہوے گا راضی
7.4 عمومی جائزہ
7.5 فرہنگ
7.6 نمونہ امتحانی سوالات
7.7 مشقی سوالات
7.8 مشقی سوالات کے جوابات
7.9 امدادی کتب

7.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

سب رس کے متن کا مرکزی خیال واضح کر سکیں گے۔

متن میں بیان کیے گئے اہم واقعات اور کرداروں کو پہچان سکیں گے۔

تمثیلی اندازِ بیان اور اس کے مفہوم کو سمجھ سکیں گے۔

متن کی زبان اور اسلوب کی خصوصیات کو جان سکیں گے۔

بیان کیے گئے اخلاقی اور فکری نکات کو واضح کر سکیں گے۔

متن کی تشریح اور وضاحت کرنے کے قابل ہو سکیں گے

7.1۔تعارف:۔

سب رس اردو ادب کی قدیم اور اہم نثری تصنیفات میں شمار ہوتی ہے جسے ملا وجہی دکنی نے تحریر کیا۔ یہ تصنیف دکن کے ادبی ماحول میں لکھی گئی اور اردو نثر کے ابتدائی ارتقا میں اس کا نمایاں مقام ہے۔سب رس کو اس لحاظ سے بھی اہمیت حاصل ہے کہ اس میں داستانوی انداز کے ساتھ تمثیلی طرزِ بیان اختیار کیا گیا ہے، جس کے ذریعے انسانی جذبات، کیفیات اور مختلف اخلاقی پہلوؤں کو بیان کیا گیا ہے۔اس تصنیف میں مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے انسانی صفات اور احساسات کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔دل، عقل، حسن اور عشق جیسے عناصر کو کرداروں کی صورت میں بیان کیا گیا ہے جس سے کہانی میں گہرائی اور معنویت پیدا ہو جاتی ہے۔اس تمثیلی انداز کے باعث قاری کو نہ صرف ایک دلچسپ داستان ملتی ہے بلکہ اس کے ذریعے انسانی زندگی اور اخلاقی اقدار کے بارے میں بھی رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔سب رس کی زبان سادہ، رواں اور دلکش ہے۔اس میں عربی، فارسی اور مقامی الفاظ کا خوبصورت امتزاج پایا جاتا ہے جس سے عبارت میں ادبی حسن اور تاثیر پیدا ہوتی ہے۔بعض مقامات پر اشعار کے استعمال سے نثر میں شعری رنگ بھی پیدا ہو جاتا ہے جو عبارت کو مزید دلکش بنا دیتا ہے۔اسلوب میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔مجموعی طور پر سب رس اردو ادب کی ایک اہم تصنیف ہے جس میں داستان، تمثیل اور اخلاقی نکات کا حسین امتزاج ملتا ہے۔اس تصنیف نے اردو نثر کے فروغ میں نمایاں کردار ادا کیا اور اسے اردو ادب کی ابتدائی اور قابلِ قدر نثری روایت کا ایک اہم نمونہ سمجھا جاتا ہے۔

7.2۔سب رس۔متن کی تدریس:۔آغاز داستان زبان ہندوستان:۔

اقتباسات:۔

(۱) نقل۔ ایک شہر تھا اس شہر کا ناؤں سیستاں اس سیستاں کے بادشاہ کی ناؤں عقل، دین و دنیا کا تمام کام اُس تے چلتا۔ اس کے حکم باج ذرا کیں نیں ہلتا۔ اس کے فرمائے پر جنو چلے، ہر دو جہاں میں ہوے بھلے۔ دنیا میں خوب کہوائے، چار لوکاں میں عزت پائے، جاں رہے کھڑے وہاں قبول پڑے۔ نہ آفت دیکھے نہ زلزلا، اپ بھلے تو عالم بھلا۔ کسی کوں برا بولنا یو وسواس ہے، بھلائی برائی سب اپنے پاس ہے۔ اپے چل نہیں جانتے، دسریاں پر برا مانتے۔ اول اپنی خبر میں اپے رہنا، پچھے دسریاں کوں برا کہنا۔ جنے اپس کوں پچھانیا، اُنے سب جانیا۔ جدھر ڈھلنا ہے، اُدھر عقل کے اجالے میں چلنا ہے۔ آدمی نے عقل چھوڑیا، دیوانہ ہوا اپنا سر اپے پھوڑیا۔ عقل میں جو کا کلوت ملتی، تو حرمت میں نقصان ہوتا، مدعا دور پڑتا دل تے۔ اگر منگتا ہے جو دل کوں تازا رکھے مدعا پاوے، تو بھلا ہے جو عقل میں کا کلوت کوں نا ملاوے۔ سکت ہے تو عقل میں ہمت کوں کر شریک، یو پند ہے اگر تجھ میں کچھ سمج ہے تو سیک۔ جکوئی یو چلنت چلتا ہے، وو کامل ہوتا ہے، روشن طبیعت، زندہ دل ہوتا ہے۔ عقل میں کا کلوت، جوں ریشم میں سوت، جوں دود میں چھاچ، جوں پاچ میں کاچ۔ جوں شیرے میں میرا، جوں اجلے زیرے میں کالا زیرا۔ جنے دل کوں جلایا، اُنے کچھ پایا۔ قدم انگے دھریا، اُنے کچھ کریا۔ مردی و نامردی یک قدم ہے، مرد کوں یہاں بڑی فکر نامرد کوں کیا غم ہے۔ ان جنتا بچارا بھلا، جانے پر پڑے بلا۔ کا کلوت تے جو دل مرے گا، تو پچھیں بچارا کیا کام کرے گا۔ دل اس کا جیتا ہے جس میں عشق ہور ہمت ہے، جیونا بی اسیچ کا ہے اس پر رحمت ہے۔ جیوں حافظ بولیا ہے، دل کے گھر کے دروازے کھولیا ہے۔ بیت:

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

خاص اچھو یا عام، آخر عقل کے حکم سوں لگیا ہے کام۔ اس کے حکم باج کوئی کسی کام میں جاوے، اپنا کیا اپے پاوے۔ بیت:

عقل ہے باز و لے بازے بلند پرواز
شکار گاہ ہے اس کا حقیقت ہو ر مجاز

(۲) عقل نور ہے، عقل کی دوڑ بہوت دور ہے۔ عقل ہے تو آدمی کہواتے، عقل ہے تو خدا کوں پاتے۔ عقل اچھے تو تمیز کرے، برا اور بھلا جانے عقل اچھے تو اپس کوں ہور دسرے کوں پچھانے۔ عقل تے میرے، عقل تے پیر۔ عقل تے پادشاہ عقل تے وزیر۔ عقل تے دنیا، عقل تے دولت۔ عقل تے چلتی سلطاناں کی سلطنت، عقل تے رہیا ہے یو عالم کھڑیا، جس میں بہوت عقل وو بہوت بڑا۔ عقل سوں چلتی خدا کی خدائی، جتنی عقل اتنی بڑائی۔ عقل نہ ہوتی تو کچھ نہ ہوتا، کچھ رچہ نہ ہوتا۔ بیت:

عقل کے نور تے سب جگ نے نور پایا ہے

جنے جو علم سکھا سو عقل تے آیا ہے

(۳) عقل بغیر دل کوں نور نہیں، عقل کوں خدا کہنا بی کچھ دور نہیں۔ ذات ذات تے صفات ہے، ذات تے جو کچھ نکلیا سو بی ذات ہے۔ جوں آفتاب ہور اس کا نور، اگر آفتابچہ نا اچھے تو نور کیوں ہوئے مشہور۔ اگر آفتابچہ میانے تے جاوے، نور آفتاب تے نکلیا تھا سو بی آفتابچہ میں سماوے۔ سور کوں نور کتے ہیں، نور ہے تو سور کتے ہیں۔ نور تے آفتاب ہے۔ نیں تو آفتاب کوں آفتاب کون کتا، اثر تے شراب ہے نیں تو شراب کوں شراب کون کتا۔ باس تے پھول نے شرف پایا، باس تے پھول پھول کہوایا۔ جوت تے جوہر نے پایا مول، معنے تے میٹھا لگتا بول۔ جوں خدا کے رسول امین نے محبوب رب العالمین نے صاحب آسمان زمین نے فرمائے کہ تفکروا فی صفات اللہ ولا تفکروا فی ذات اللہ۔ یعنی ذات کوں صفات میں دھونڈیں گے تو پاویں گے، صفات کوں چھوڑ دیے تو ذات لک کدھر تے آئیں گے۔ بعضے کتے ہیں کہ خداے تعالیٰ آخرت کوں ایک معنی سوں اپنا دیدار دکھلائیں گا، مسلماناں کا دل اس وقت روشن ہوئے گا، مسلماناں کے دل کا شک جائیں گا۔ بعضے کتے ہیں کہ خدا کوں دیکھیا جائے، جو کوئی خدا کوں دھونڈے سو خدا کوں پائے، جنوں نے نیں دیکھے جنوں کوں دیکھنے کا قدرت نیں انو شک لیاے۔ بعضے کتے ہیں کہ خدا کوں اس نظر سوں دیکھیا نا جاسی، نظر سوں خدا کوں دیکھیں گے تو خدا نظر میں نا آسی۔ سچ کے اکھیاں سوں دیکھے تو دیکھیا جاتا ہے، نظر سوں کوئی کیوں دیکھے گا۔ کیا خدا ظاہر صورت پکڑ کر آتا ہے؟ بعضیاں کوں اس جاگا یو سوال ہے، اگر خدا کوں جہت نہیں، خدا کوں مکان نہیں، خدا کوں کچھ صورت کا نشان نیں، خدا کوں دیکھنا محال ہے۔ بعضے کتے ہیں خدا سمجھا جائے تو بس، خدا کوں دیکھنے کا کے کس۔ یو دل کے دلیچہ میں رہے ہوں، خدا تحقیق ہے اتنا جانیا تو بھوت سرس۔ بعضے کہتے ہیں کہ خداے تعالیٰ کوں قیامت میں دیکھیں گے والے حیران ہوئیں گے، کہ نا سکیں گے، کہ یو نچ ہے یو چہ ہے، یا ایسا چ ہے، یوں کہے تو اس کے دینے وضا سوں یاں بی دستا ہے، ولے بولنے میں نہیں آتا کیا بولوں تماشا چ ہے۔ خدا کی عجب ہے شوکت ہو رشان، بچارا انسان یاں بی حیران واں بی حیران اسیتچ جو مرداں ہیں نازک نام کے، عاشق ہوے اس کے نام کے۔ اس کے نام پر جیو دیے ہیں، اپنا کام کیے ہیں۔ ایک کچیک ہے جو دستا ہے نہیں دستا نیوں، یو عقل کی پیلاڑ ہے آدمی سمجھتا کیوں۔ اگر ہیچ وجہ مطلق کچھ نا دستا تو ہرگز خدا ہے کرنا کتے، اس کی عبادت چھوڑ تے اس کی یاد میں نا رہتے۔ خدا ہے کر تو بولیا جاتا ہے، کہ کچھ بی دس آتا ہے، تو انسان اس سوں جیولاتا ہے، اس پر توکل کرتا ہے۔ اسے پیتا تا ہے کہ مجھے تو نچہ ہے، میرا کام تجھ سو نچہ ہے۔ بارا بار کیے وضا سوں دیتا ہے، تارا تارے کہ وضا سوں دیتا ہے۔ بارے کوں تارے کی وضا سوں دیکھیں گے تو کیوں دے گا۔ تارے کوں بار . بارے کی وضع ہوں دیکھیں گے تو کیوں دے گا۔ اس کا نور سب میں بھر پور

ہے، ولے اس کے دیکھنے میں قصور ہے۔ اگر اس کا قصور جاوے گا، تو سب جاگا اس کا جلوہ دیتا ہے، نور دس آوے گا۔ اگر آسمان اگر زمین اگر آب آتش خاک بارا ہے، یو اپنے آپے پیدا نہیں ہوے انوں کوں کوئی پیدا کرن ہارا ہے۔ اگر یو عالم اپنے اپچ پیدا ہوا ہے تو یو چہ خدا ہے، اس بھید کوں سمجنا سو عارف جدا ہے۔ اپس کوں دیکھنا اپس کوں دیکھنا کتے ہیں اگر اپس کوں دیکھے تو بی خدا کوں دیکھنا مشکل ہے، خدا کی محبت حاصل ہوتی ہے اما خدا کے حاصل ہے۔ خدا کچھ ایسا نہیں ہے کہ جیوں دیکھنا کتے ہیں تیوں دیکھیا جائے، بات گفتار کی کوئی فرصت پائے۔ منصور جو اس بات میں آیا محبت کے زورسوں خدا کھوایا۔ نہیں تو بندہ کہیں خدا کھوا تا ہے، بندے کی خدا کھوایا جاتا ہے۔ محبت کے عالم میں کوئی کہے کہ مینچ خدا ہوں، خدا پرست لوکاں محبت کے عالم میں خدا کھواے تو کہیا جائے، قادریت کے عالم میں کیچہ قدرت نیں جو خدا کھواے۔ خدا سو خدا ہے، محبت کا عالم کتے سو جدا ہے۔ جتے اپس کوں صاحب عرفاں کر جانے، یہاں آکر زبان گردانے۔ بعضے کتے ہیں کہ عقل کے احاطے میں ذات حق تعالیٰ کما حقہ نہیں آسکیا، کچھیں جو عاشق ہوا آنے اپس کوں عشق میں فنا کر بات کوں یہاں لیار کھیا۔ خدا کے دوستاں نے بولے ہیں، اسرار کے موتیاں رولے ہیں۔ کہ فنافی اللہ بقاباللہ۔ فرد:

آیا جکوئی خبر کوں یہاں و وخبر سٹیا

کھولیا لہوا کمر تے سرن آس پر سٹیا

(۴) سو اس عقل پادشاہ کوں عالم پناہ کوں، ظل اللہ کوں، صاحب سپاہ کوں، ایک فرزند تھا، کہ اس کا جوڑا دنیا میں کہیں نہ تھا۔ واصل کامل، عاشق عاقل، عالم عامل، نانوں اس کا دل۔ دانش مندی، ترکش بندی، قبول صورتی، دلاوری سب عالم تے اسے حاصل۔ فرد:

کرے نت دل یو نازش عقل جیسا

کہ فرزند نیں کسے دنیا میں ایسا

تخت تاج کا لایق، سب پر فائق۔ بات میں قابل، سب میں فاضل۔ سو ایک دیس اس عقل پادشاہ، عالم پناہ صاحب سپاہ ظل اللہ، حقیقت آگاہ کے دل پر کچھ آیا، اپنا اندیشہ اپس کوں بھایا۔ سو اس دل شاہ زادے کوں، اس ماہ زادے کوں، اس مستغنی کوں، اس سب علماں کے دھنی کوں تن کے ملک کی بادشاہی دیا، تن کے ملک کا بادشاہ کیا۔ سرفراز کیا، ممتاز کیا۔ بیت:

عقل دل کوں دیا ہے پادشاہی

عقل دل کوں دیا عالم پنا ہی

(۵) نظر یو خبر سن بہوت گھبرا ہوا، چپ چت کا برا ہوا۔ معاملہ کچھ کا کچھ گھڑیا، اندیشے میں پڑیا۔ یو پیرت ہے اسے کون نہایت کوں انپڑایا، اسے کوں انت نہیں کون اس کا انت پایا۔ کہ یو آب حیات کہ اس آب حیات کے خاطر ویسیاں ویسیاں نے یو جفا دیکھے، کیا نفا دیکھے۔ تو بہ کیسے پچتائے آخر بھی پھر اپنی جا گا آئے۔ کوئی اس باٹ میں جا کر اپس کوں پورا نیں انپڑایا، جس باٹ گیا تھا اس باٹ کا مقصود نیں پایا۔ گر یا پھر یا، ڈریا نہیں کریا۔ گرم دل بھی اگر اس آب حیات کی خبر پاوے گا، تو کیا نہایت کوں انپڑاوے گا۔ اگر دل کے اودھر دیکھتا ہوں تو دل کے فائدے کیاں بھوت باتاں ہیں، ادھر جیو کے رہنے کا کچھ فکر کرتا ہوں تو نئی حکایتاں ہیں، میانے میاں بچارا اڑیا، بچارے پر مشکل کھڑیا۔ بیت:

نفر شہاں کنے کوئی دوراندیش ہوئے تو خوب

کہ زیر کام نہوے کام پیش ہوئے تو خوب

ولے عاشق کوں قایل کی بات خاطر میں کاں آتی، پند کسی کی کاں بھاتی، دوستی جا کر دشمنی بساتی۔ دل میری بات کاں مانے گا، اگر بولوں گا دشمن کر جانے گا۔ بیت:

جکوئی خوبی کوں کہے اور کوئی برا مانے

نہ بول بول کہ کیا کام بیٹھے پچتانے

7.3 ۔ آغاز داستان زبان ہندوستان تا القصہ اگر تج میں کچھ زور اچھے گا تج سوں صلح پر ہوے گا راضی:۔

(ا) خوب خدا خاطر جوں تیوں اس آب حیات کی بات توں بول، اتال دل کوں کھول۔ جو اس کے اثر تے کیا ہوتا ہے گھڑی بھر ایک جا گا دونوں مست ہو کر پڑیں، ایکس کے ایک گلے لگ لگ ٹک ہنسیں ٹک روئیں ٹک چڑ پھڑیں۔ یو بی ایک تماشا دیکھیں، اس معاملے کو بے خطر لیا دیکھیں۔ یو بی ایک عالم ہے، آخر خوشچہ ہے کیا غم ہے۔ یک ساعت مست اچھیں اپس میں اے ہمدست اچھیں۔ دونوں بی مست، دونوں بی مے پرست، دونوں بی دانے، دونوں بی توانے ہے۔ دونوں بی دانش مند، ایکس سوں ایک بیچارے ایکس کوں ایک دے پند۔ آج لگن عاقل تھے ایک دیس دیوانے اچھیں، یو بی ایک گل ریزی ہے دیکھیں اچھیں، جانے اچھیں۔ پیرت پتلی کیوں کھڑتی، ناؤں تے مستی کیوں چڑتی۔ کوئی کتے یو بات خرافات ہے، ناؤں تے مستی چڑنا بھوت بڑی بات ہے۔ فرد:

نفا ہے کیا جو چھپارا کھے دل منے دھر کر
جو کام دل منے آوے وو دیکھنا کر کر

(۲) کہا خوب توں مرد سد ہے، ہوراس کام پر بھوتیچ بجد ہے۔تو قضا کتا ہوں سن، کہ انپڑے اس آب حیات کے چشمے لگن۔کہ مشرق ولایت میں، بے نہایت میں، ایک بادشاہ ہے، ظل اللہ ہے، عالم پناہ ہے، صاحب سپاہ ہے، حقیقت آگاہ ہے۔عشق اس کا ناؤں ہر دل میں اس کا ٹھاؤں۔سب سوں جوڑیا کسی سوں نیں توڑیا۔کیتا کریں گے بیان، اگر ملیں گے ہر دو جہان عشق آپ بھاوتا عشق مدماتا عشق خدا کوں انپڑاتا عشق خدا کہوا تا عشق کوں نہ پچھیں کی فکر نہ انگے کا اندیشا عشق سرمست بے پروا اس کا ریشا ریشا عشق کس تے نہ ڈرے، عشق خوشی بھاوے سو کرے۔بیت:

دو شاہ عشق ہے جو سب جہان اس کا ہے
ستارے چاند سرج آسمان اس کا ہے

عشق آگ ہے جاں جاے واں جالے، عشق کی آگ کوں کون سنبھالے۔عشق کا جیو حسن، اس جیو میں لاکہ لاکہ گن۔عشق جھاڑ ہے حسن پانی، حسن تے قائم عشق کی زندگانی۔عشق حسن پر والہ وشیدا، عشق حسن خاطر ہوا پیدا۔

عجب شراب اہے حسن جس میں سب ہستی
کہ اس شراب سوں چڑتی ہے عشق کوں مستی

ولے عشق پادشاہ، عالم پناہ، ظل اللہ، صاحب سپاہ کے ہات میں ہے اس کا اختیار عشق پادشاہ کوں اس جنس کا آدمی بی ہے درکار۔پادشاہاں نیں اچھتے پرگم، پادشاہاں کنے جنس جنس کا اچھتا آدم۔عشق بادشاہ کے فرمان تلے رقیب سر دھرے، جکچھ عشق بادشاہ فرمائے سو رقیب کرے۔دل ربا شہر دیدار کا نگہبان، اغیار کوں واں نیں دیتا آن۔ہرگز کس تے نیں ڈرتا، جکوئی آتا اسے منع کرتا۔اُس کے ڈر تے نظر بھڑ کنے نا پاوے، انداز کس کا جو کوئی واں آوے۔جکوئی آتا اس سوں جھگڑتا، کتا ہو کر لڑلڑ پڑتا۔جاں ایسا آدمی اچھے نت، کتا رکھنے کی وہاں کیا حاجت۔نہ بھلے تے ڈرے گا نہ برے تے ڈرے گا، ایک رقیب ہزار کتے کا کام کرے گا۔بیت:

باغ میں مالی کیوں کسے چھوڑے
بن رضا آئے تو کمر توڑے

(۳) نظر خوار آوارا، کچھ نہیں دستا چارا، عاجز ہوا بچارا۔ قضا یوں ہوا، خدا کا رضا یوں ہوا۔ جو دیس میں حسن نار، اوتار خوش دیدار خوش گفتار، خوش رفتار دیدیاں کا سنگار، دل کا آدھار، پھول ڈالی تے خوب لٹکتی، چلنے میں ہنس کوں ہٹ کتی۔ راویں تے میٹھی بولے بات، آواز تے قمری کوں کرے شہ مات، کنول کے پھول کے پھنکڑیاں جیسے ہات۔ چمن میں پھول شرم حضور، لاج تے آسماں پر چڑے چاند سور مست ہتی تے مغرور ماتی بھاتی، کسے خاطر نیں لیاتی۔ بال جانو کالے ناگ، گال جانو عشق کی آگ۔ بیت:

یو موہن دھن عجائب موہنی ہے
سورج اس کے درس کا درسنی ہے

جو بن الماس تے گھٹ، ادھر یاقوت تے اعلیٰ نپٹ۔ اس کیاں انکھیاں جانو لالے، جانو شراب کے پیالے۔ دانتاں دیکھ موتی کے دانے، گھرے گھر پھرتے دیوانے۔ بیت:

عجب پری ہے سو اس پر جو حور عاشق ہوے
مسیح دیکھ کے گم ہوئے سور عاشق ہوے

(۴) القصہ قضا را یوں ہوا جس وقت کہ نظر رخسار کے گل زار کا نظارا کرتا تھا، دل پارا پارا کرتا تھا، خدا کیا کرے گا کر استخارا کرتا تھا۔ غمزا نرگس زار میں اس عشویاں کے گل زار میں مست پھرتا تھا، ولے شعور دھرتا تھا، سب ٹھار نظر کرتا تھا۔ نظر کوں نظر سوں دیکھا غمزا نیں پچھانیا، کوئی بیگانہ ہے کر جانیا۔ ہڑ بڑا اٹھیا، اپنا لہو آپی گھٹیا۔ ہور لہوا اُس پر اچایا، کہ تو کون ہے کیوں اس باغ میں آیا۔ غمزا مست، غصے سوں ہمدست، نظر کوں مار نے خاطر نظر کی انکھیاں باندیا، تن پر کے کپڑے اتاریا، منگتا تھا کہ مارے ولے نیں ماریا۔ کچھ دل میں بچاریا۔ نہن پن میں نظر ہور غمزے کی ماں نے کچھ فکر کی تھی، دونوں کوں دو لعل دی تھی، بازو کو باندنے، مہر محبت سوں ناندنے۔ دنیا کوں کیا پیتانا ہے، کہ ایک وقت ہے زمانہ ہے۔ کچھ ہوئے تو ایکس کوں ایک پچھانے، ایکس کوں ایک جانے۔ غمزے نے نظر کے بازو کا وو لعل پچھانیا، جانیا کہ یو تو اپنا بھائی ہے، اپس میں ہور اس میں کیا جدائی ہے۔ بہوت رویا گلے لایا، بہوت عذر خواہی کیا۔ بیت:

جگوئی بچھڑے پچھیں نہیں ملنے پاتا ہے
خدا ملانے کوں منگتا تو یوں ملاتا ہے

(۵) ایسا کوئی نیک ہے جسے نیکی پیاری نہیں، نیکی دنیا میں ضائع ہونہاری نہیں۔ نیکی جس ٹھار پڑیں گی، اس ٹھار نکلیں گی، نیکی پھتر

پرسٹیں گی تو پھوٹ کو بھار نکلیں گی۔نیکی سب ٹھار کرتی یاری، نیکی قیامت کی چھڑا نہاری نیکی دشمن کوں دوست دار کرتی، نیکی سوں جن نے بدی کیا تو بیکیچ اُسے خوار کرتی۔ جیتے دنیا میں آ کر گئے، سو بیکیچ کرو گئے۔ نیکاں نے نیکی کرنا، دنیا میں نیکی نا بسرنا۔ مجھے یو فام ہوتا ہے کہ توں ٹک کرم کرتی ہے تو سب کام ہوتا ہے۔ کیا واسطہ کہ آج برساں ہوئے ہیں، قرنا گذرے ہیں جو دل کوں آب حیات کی پیاس لگی ہے، پیاس پکڑیا ہے، محبت راسک راس پکڑیا ہے، بہت آس لگی ہے۔ اُس آب حیات کی خاطر بہت حیران ہے، پریشان ہے، سرگردان ہے۔ نشان پوچھتا ٹھاریں ٹھار، کوئی نہیں ہے اُس آب حیات کا نشان دینہار۔ جو کوئی غم میں سپڑ کر اسیر ہوتا ہے، خدا چہ اس وقت آ دستگیر ہوتا ہے۔ اگر کوئی توں نزدیک کا آدمی دیوے گی میرے سنگھات، ہور وو جیوں آب حیات کان ہے سو بولے گی بات۔ تو میں جا کر سمجھا کر، دل کوں قتل میں رام کروں گا، تیری خاطر یو کام کروں گا۔ تیرا بی کام ہوتا ہے، اُسے بی آرام ہوتا ہے، میرا بی نام ہوتا ہے۔

(٦) اول بھوک پیاس پر کھڑے رہنا، پچھیں مرداں میں بزرگی کی بات کہنا۔ باؤ کے جھاڑ تے کوئی پھل لیا ہے، بھیں چھوڑ کر کوئی سادنا کیا ہے۔ یوں نیچہ ہیں کہ بھوک ہور پیاس نبیاں ہور ولیاں کی میراث۔ کھانا بھوک کے نوالے ہور پینا پیاس کے گھونٹ، اگر مرد ہے تو یوں چل باقی سب بات جھوٹ۔ بڑائی جو پیکیاں سوں آتی، پیکے گئے تو وو بڑائی بھی جاتی۔ نکو کرتو ایسی خام طما، یو بڑائی کسی بڑائی میں جما۔ شرم نہیں آتی ایسی بڑائی کرتے، اس بڑائی پر بھی اینٹ اینٹ مرتے۔ دو دلیس ہوتے جاں وزیر بھی آخر فقیر کے فقیر۔ وو بڑائی مغز میں تے یوں نکل جاتی، جو پھر خواب میں بھی نہیں آتی۔

7.4۔عمومی جائزہ:۔

سب رس کا متن اپنے اندر داستانوی دلکشی اور تمثیلی معنویت سموئے ہوئے ہے۔ اس میں مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے انسانی جذبات، کیفیات اور اخلاقی اقدار کو نہایت مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ دل، عقل، عشق اور حسن جیسے عناصر کو علامتی صورت میں بیان کیا گیا ہے جس سے تحریر میں فکری گہرائی اور معنوی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ اس تمثیلی انداز کے باعث قاری کو نہ صرف ایک دلچسپ داستان ملتی ہے بلکہ اس کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو سمجھنے کا موقع بھی ملتا ہے۔ زبان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ متن خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی زبان سادہ، رواں اور پراثر ہے جس میں عربی، فارسی اور مقامی الفاظ کا خوبصورت امتزاج پایا جاتا ہے۔ عبارت میں روانی اور دلکشی پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے اور وہ متن کے مفہوم کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ مجموعی طور پر سب رس کا متن اردو نثر کی ایک

اہم مثال ہے جس میں داستانی رنگ، تمثیلی انداز اور اخلاقی وفکری نکات کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔ یہی خصوصیات اس متن کو ادبی لحاظ سے اہم اور قابلِ مطالعہ بناتی ہیں۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے سب رس کے متن کا بغور مطالعہ کیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 7.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

۱۔ ولے۔۔۔۔ پادشاہ، عالم پناہ، ظل اللہ، صاحب سپاہ کے ہات میں ہے اس کا اختیار عشق پادشاہ کوں اس جنس کا آدمی بی ہے درکار۔

۲۔ پادشاہاں نہیں اچھتے پر گم، پادشاہاں کے جنس جنس کا اچھتا۔۔۔۔ عشق بادشاہ کے فرمان تلے رقیب سر دھرے، کچھ عشق بادشاہ فرمائے سو رقیب کرے۔

۳۔ دل ربا شہر دیدار کا نگہبان، ۔۔۔۔۔ واں نہیں دیتا آن

7.5۔ فرہنگ:۔

در آمد	داخل ہونا
رموز و نکات	پوشیدہ باتیں
بے وقتی	بے آبروی، پستی، ناقدری
تج دینا	چھوڑ دینا
شرف	برتری، ترجیح
سرشت	عادت، فطرت
نباہ نہ دیکھنا	بات نہ بننا

جاگیر	زمین، مالودولت
تصوف	علم معرفت
حکمران	حکومت کرنے والا
قدرومنزلت	عزت واحترام
پیشتر	پہلے
فتوحات	جمع فتح کی، جیت

6.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

۱۔سب رس کے درج ذیل اقتباس کی تشریح کیجیےاوراس کے مفہوم کوواضح کیجیے؟

۲۔سب رس کے متن کی زبان اوراسلوب کی خصوصیات پرتفصیل سے روشنی ڈالیں؟

۳۔سب رس کے متن میں تمثیل نگاری کی وضاحت کریں اوراس کی اہمیت بیان کیجیے؟

۴۔سب رس کے متن میں کردارنگاری کے انداز کا جائزہ لیجیے؟

۵۔سب رس کے متن کے اہم اقتباسات کی روشنی میں اس کے مرکزی خیال اورفکری پہلوؤں کو بیان کیجیے؟

7.7۔مشقی سوالات :۔

۱۔سب رس کے متن میں کن انسانی کیفیات کوتمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے؟

____

____

____

____

____

۲۔سب رس کے متن کی زبان کی نمایاں خصوصیات کیا ہیں؟

۳۔سب رس کے متن میں تمثیل نگاری کا کیا کردار ہے؟

۴۔سب رس کے متن میں کردار نگاری کس انداز سے کی گئی ہے؟

7.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

۱۔ سب رس میں دل، عقل، حسن اور عشق جیسی انسانی کیفیات کو تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ان کرداروں کے ذریعے انسانی جذبات اور احساسات کو واضح کیا گیا ہے۔

۲۔ سب رس کی زبان سادہ، رواں اور دلکش ہے۔اس میں عربی، فارسی اور مقامی الفاظ کا خوبصورت امتزاج پایا جاتا ہے۔

۳۔ سب رس میں تمثیل کے ذریعے انسانی صفات اور جذبات کو کرداروں کی صورت میں پیش کیا گیا ہے جس سے کہانی میں معنوی گہرائی پیدا ہوتی ہے۔

۴۔ سب رس میں کرداروں کو علامتی اور تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے اور ہر کردار کسی نہ کسی انسانی صفت یا کیفیت کی نمائندگی کرتا ہے۔

جوابات:۔(۱۔عشق،۲۔آدم،۳۔اغیار کوں)

7.9۔امدادی کتب:۔

۱۔انتخاب سب رس	مرتبہ:نورالحسن ہاشمی
۲۔سب رس	مرتب: ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی
۳۔سب رس	مرتبہ:شمیم انہونوی

سبق نمبر:۸:۔سب رس کا تنقیدی جائزہ

ساخت:۔

8.0 اغراض ومقاصد
8.1 تعارف
8.2 سب رس کی صنفی شناخت
8.3 سب رس کا تنقیدی جائزہ
8.4 عمومی جائزہ
8.5 فرہنگ
8.6 نمونہ امتحانی سوالات
8.7 مشقی سوالات
8.8 مشقی سوالات کے جوابات
8.9 امدادی کتب

8.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

سب رس کے تنقیدی جائزے کے بارے میں جانیں گے۔

سب رس کی ادبی اہمیت اوراس کی نمایاں خصوصیات کوسمجھ سکیں گے۔

سب رس کی زبان واسلوب اور تمثیلی اندازِ بیان سے آگاہ ہوں گے۔

سب رس میں پیش کیے گئے فکری اور اخلاقی پہلوؤں کوسمجھ سکیں گے۔

سب رس کے ادبی مقام اوراس کے تنقیدی جائزے کو بیان کرنے کے قابل ہوں گے۔

8.1 ۔تعارف:۔

ملاوجہی قطب شاہی عہد کا بلند مرتبت شاعر اور باکمال نثر نگار تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اس نے گولکنڈہ کی قطب شاہی سلطنت کے چار حکمرانوں کا زمانہ پایا۔ سلطان ابراہیم قطب شاہ کے عہد میں وہ پیدا ہوا۔ محمد قطب شاہ کے زمانہ حکمرانی میں اس کی شاعری پروان چڑھی اور وہ ملک الشعرا مقرر ہوا۔ سلطان محمد قطب شاہ کے عہد حکومت میں وہ گوشہ گمنامی میں چلا گیا۔ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں وہ دوبارہ دربارشاہی سے وابستہ ہوا۔ محمد قلی قطب شاہ کے زمانے میں اس نے ''قطب مشتری'' جیسی دکن کی شاہ کار مثنوی لکھی۔ قیاس کیا جاتا ہے کہ محمد قطب شاہ کے زمانے میں جب کہ وہ شاہی عتاب کا شکار تھا اس نے اپنا دیوان فارسی مرتب کیا۔ عبداللہ قطب شاہ کے عہد میں اس نے بادشاہ کی فرمائش پر سب رس لکھی جودکنی نثر کا شاہ کار ہے۔

8.2۔سب رس کی صنفی شناخت:۔

صنف کے اعتبار سے ''سب رس'' ایک داستان ہے۔ اس میں عام داستانوں کی طرح پلاٹ بھی ہے اور قصہ بھی۔ کردار بھی ہیں اور ماحول ومنظر بھی، مافوق الفطری عناصر بھی ہیں اور سحر وطلسم بھی۔ حسن وعشق کی واردات بھی ہے، مہمات بھی ہیں اور جنگ بھی۔ غرض یہ کہ داستان کے بیشتر اجزائے ترکیبی اور لوازمات ''سب رس'' میں موجود ہیں۔ دنیا کی کئی مشہور داستانوں کی طرح سب رس کا قصہ بھی تلاش وجستجو سے تعلق رکھتا ہے۔ تلاش اور تجسس کے افسانوں میں کہیں کسی پھول کی تلاش ہوتی ہے جیسے مثنوی گلزار نسیم میں گل بکاولی کی تلاش یا کسی بے مثل حسینہ کی تلاش جیسے پدماوت میں مدماوت، قصہ رضوان شاہ میں روح افزا پری اور باغ وبہار کے تیسرے درویش کی سیر میں ملک فرنگ کی شہزادی کی تلاش وغیرہ۔ تلاش کے قصوں میں کچھ قصے ایسے ہیں جن کا موضوع چشمہ آب حیات کی تلاش ہے۔ ''سب رس'' ایسی داستان ہے جس میں آب حیات کی تلاش بھی ہے اور ایک پری روحینہ (شہزادی حسن) کی تلاش بھی۔ داستان کے کردار عام طور پر اعلیٰ طبقے کے افراد ہوتے ہیں۔ جیسے بادشاہ

شہزادہ شہزادی یا وزیر، وزیرزادہ اور وزیرزادی وغیرہ۔ ''سب رس'' کے کرداروں کا تعلق بھی طبقہ بالا سے ہے۔ دل شہزادہ ہے اور حسن شہزادی۔ داستانوں کے مرکزی افراد قصہ کی طرح دل اور حسن دونوں جامع صفات ہیں اور بے شمار خوبیوں اور اچھے اوصاف کے حامل ہیں۔ گویا کہ دونوں کے کردار مثالی ہیں۔ عشق داستان کے ڈھانچے میں روح کی حیثیت رکھتا ہے۔ داستان کے ہیرو کے دل میں ہیروئن کی محبت کا جذبہ یا تو اسے خواب میں دیکھ کر بیدار ہوتا ہے جیسے مثنوی قطب مشتری میں شہزادہ قطب خواب میں مشتری کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے یا دوسروں کی زبانی محبوب کے حسن و جمال کی تعریف سن کر جیسے پدماوت میں رتن سین ہیرامن توتے سے پدماوتی کی تعریف سن کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح فسانہ عجائب میں جان عالم توتے کی زبانی انجمن آرا کے حسن کی تعریف سن کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ ''سب رس'' میں شہزادی حسن ایک ہیرے پر بنی ہوئی دل کی تصویر دیکھ کر اس پر فریفتہ ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حسن کا ملازم خیال جو مصور ہے دل کو شہزادی حسن کی تصویر اتار کر دکھاتا ہے۔ دل اس کا عاشق ہو جاتا ہے اور اسے حاصل کرنے کے لیے شہر دیدار کا سفر کرنے کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور عشق بازی کی ہفت خواں طے کر اپنے نادیدہ محبوب کو حاصل کر لیتا ہے۔ مافوق الفطری عناصر داستان کے اجزائے ترکیبی کا اہم حصہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ فوق الفطرت عناصر کے بغیر بھی داستان لکھی جاسکتی ہے۔ لیکن دنیا کا بیشتر داستانی ادب فوق الفطرت سے بھرا پڑا ہے۔ رامائن، مہابھارت، الیڈ، اوڈیسی، داستان امیر حمزہ، باغ و بہار، فسانہ عجائب وغیرہ سب میں فوق الفطرت عناصر کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ دل کا جاسوس نظر جب شہر دیدار میں پہنچتا ہے تو شہزادی حسن کی سہیلی لٹ اس پر مہربان ہو کر اپنی زلف کے چند بال عطا کرتی ہے جن میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ جب انہیں آگ پر جلایا جاتا ہے تو وہ فوراً مدد کے لیے حاضر ہو جاتی ہے۔ حسن نظر کو یاقوت کی انگوٹھی دیتی ہے جو طلسمی ہے، جسے منہ میں رکھنے والا لوگوں کی نظر سے غائب ہو جاتا ہے۔ غمزہ دعائے سیفی پڑھ کر اپنے لشکر کو ہرنوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔ غیر جادو کے ذریعے حسن کی ہم شکل بن جاتی ہے اور دل سے ملتی ہے۔ جب حسن اسے رنگے ہاتھ پکڑتی ہے تو جادو کے زور سے اس کی نگاہوں سے غائب ہو جاتی ہے۔ حسن کا خادم خال عمبر کا دانہ جلا کر کوہ قاف سے حسن کی ہمزاد و ہم شکل کو طلب کرتا ہے۔ غیر کا باپ رقیب، خیال تبسم اور نظر پر جو دل کی نگرانی کر رہے ہیں جادو کر کے دل کو اڑا لے جاتا ہے۔ ماورائی قوتوں اور فوق الفطرت واقعات کی شمولیت داستان کو تحیر خیز اور دلچسپ بنانے کی ایک تکنیک ہے۔ وجہی نے ''سب رس'' میں اس تکنیک کا استعمال کیا ہے۔

8.3۔سب رس کا تنقیدی جائزہ:۔

ملا وجہی دکن کا بہت بڑا شاعر اور نثر نگار گزرا ہے۔ وہ اردو کے ساتھ ساتھ فارسی کا بھی بہت بڑا شاعر تھا۔ وہ گیارھویں صدی ہجری کے

اوائل کا شاعر تھا اور یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی فضا میں فارسی شعر ونغمہ کی دھوم ہر طرف مچی ہوئی تھی۔لیکن اسی عرصہ میں دکن (گولکنڈہ) میں اردو کا پودا نشوونما پا رہا تھا اور اسکو سینچنے کا کام اردو ادب کے ادیب کر رہے تھے۔ان میں سے ایک نام ملا وجہی کا بھی ہے جس نے ''سب رس'' جیسی کتاب لکھی۔سب رس اردو نثر کی پہلی کتاب ہے جو ۱۶۳۵ء میں تصنیف ہوئی۔ایک زمانے تک ''سب رس'' کے بارے میں اردو کے ادیبوں کو کوئی جانکاری نہیں تھی۔سب سے پہلے بابائے اردو مولوی عبدالحق صاحب نے اس کو دریافت کیا اور اپریل ۱۹۲۵ء میں مع مقدمہ سب رس کو اردو دنیا سے متعارف کرایا۔اس طرح انہوں نے ملا وجہی کی تصنیف ''سب رس'' کو نئی زندگی عطا کی۔ملا وجہی نے سب رس کے علاوہ قطب مشتری اور تاج الحقائق جیسی عاشقانہ اور تصوف پر کتابیں لکھی ہیں۔ایسا قیاس کیا جاتا ہے کہ ملا وجہی نے ''سب رس'' عبداللہ قطب شاہ کے کہنے پر لکھی تھی۔''سب رس'' قصہ گوئی کے دائرے میں آتی ہے اور یہ اپنے دور کی نمائندہ تصنیف ہے۔اس کی ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ ایک تمثیلی داستان ہے۔

سب رس محمد یحیی ابن سیبک فتاحی نیشاپوری کی تصنیف ''دستور عشاق'' کے نثری خلاصہ ''قصہ حسن و دل'' سے ماخوذ ہے۔فتاحی کی اس تصنیف اور اس کے موضوع کی شہرت اور مقبولیت اتنی پھیل گئی تھی کہ اس نے اس قصہ کو مسجع و مقفی نثر میں دوبارہ لکھا۔یہ تصنیف اتنی زیادہ مقبول ہوئی کہ دوسری زبان کے لوگوں نے اس قصے کو اپنی زبان میں لکھا۔لیکن جہاں تک ملا وجہی کی ''سب رس'' کا سوال ہے تو ملا وجہی نے یہ کہیں نہیں لکھا کہ ''سب رس'' کو لکھتے وقت اس نے قصہ حسن و دل کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔چنانچہ موضوع کی یکسانیت تمثیلی رنگ، انداز تحریر، خود قصہ حسن و دل کی اس دور میں مقبولیت اور تقابلی مطالعہ سے یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ سب رس قصہ حسن و دل کا چربہ ہے یا وجہی نے اس کو سامنے رکھ کر لکھا ہے۔جیسے اسکے کردار کے نام، جگہ کے نام وغیرہ میں یکسانیت ہے۔''سب رس'' میں ملا وجہی نے اپنے خیالات کو داستان کے پردے میں پیش کیا ہے۔اس میں شہزادہ دل اور شہزادی حسن کی عشقیہ داستان بیان کی گئی ہے۔سب رس کو ایک کامیاب تمثیل قرار دیا گیا ہے۔ تمثیل ایک ایسا طویل استعارہ ہے جو اپنے اندر ایک داستان کی وسعت رکھتا ہے۔اس میں غیر مادی اشیاء کو مادی روپ میں پیش کیا جاتا ہے اور خیالات و احساسات کو جسمانی شکل دی جاتی ہے جیسے عشق، دل، عقل، حسن، وفا، نظر، مہر وغیرہ مجرد خیالات کو انسانی کردار میں ڈھال دیا گیا ہے۔ انہی تمثیلی کرداروں کے ذریعہ کہانی آگے بڑھتی ہے۔اس داستان کو آگے بڑھانے میں ملا وجہی نے مافوق الفطرت عناصر کا بھی سہارا لیا ہے، لیکن اردو کی دوسری داستانوں کے مقابلہ میں اس میں مافوق الفطرت عناصر کا کم ہی سہارا لیا گیا ہے۔داستان کے تمام کردار ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور کہانی ایک مرکزی خیال کے اردگرد گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔اس کے کردار جیتی جاگتی اور حقیقت کی دنیا میں نظر آتے ہیں لیکن کچھ

مقامات ایسے آتے ہیں جہاں کہانی کے فن کے مجروح ہونے کا احساس ہوتا ہے اور جگہ جگہ پند ونصیحت کا بھی احساس ہوتا ہے۔

سب رس کے مطالعہ سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ ملا وجہی نے اس کو بہت ہی رنگین نثر میں لکھا ہے۔ نثر کا اسلوب اور انداز بیان میں سادگی، شگفتگی، رنگینی اور رعنائی کے ساتھ ساتھ تصوف کا رنگ بھی دکھائی دیتا ہے۔ اس کی عبارت میں سلاست اور روانی بھی پائی جاتی ہے۔ کیونکہ سب رس سے پہلے کی اردو زبان صرف مطلب کو بیان کرنے کا کام کرتی تھی اور اس میں ادبی چاشنی نہیں تھی۔ علاوہ ازیں اس نے نثر اور نظم کو ملا کر ایک نیا اسلوب اختیار کیا اور اس کی ایجاد کا اس نے دعوی کیا ہے۔ یہ وجہی کا ہی کمال ہے کہ سب رس کے ذریعہ اردو نثر سادگی اور بے تکلفی سے حسن اور توانائی کی منزل میں داخل ہوئی جس کا سہرا وجہی کے سر ہے۔ ملا وجہی نے سب رس کو ادبی نقطہ نظر سے سجانے اور سنوارنے میں اپنا خون جگر صرف کر دیا ہے اور اپنی زندگی کے تجربات کا انمول نمونہ اس نثر میں پیش کیا ہے۔

''سب رس'' اردو کا پہلا ادبی کارنامہ ہے۔ اگر اس کی نثر کا مقابلہ اسکے ہم عصر ادیبوں سے کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ سب رس کا اسلوب ادبی اور علمی اسلوب کے دائرے میں آتا ہے جبکہ اس دور کی دوسری تصانیف میں ٹوٹے پھوٹے انداز میں مخصوص صوفیانہ خیالات کو بیان کیا گیا ہے۔ وہیں سب رس ایک تازہ وشگفتہ ادبی اسلوب سے مالا مال نظر آتی ہے۔ سب رس میں ملا وجہی نے جو زبان استعمال کی ہے وہ بہت ہی سادہ، شگفتہ اور رنگین ہے۔ ہمیں تو تعجب ہوتا ہے کہ اردو کے ابتدائی دور میں الفاظ کے اتنے کم ذخیرے سے کام لے کر اور مسجع ومقفیٰ عبارت آرائی سے کام لیکر اس نے اپنے طرز تحریر میں چار چاند لگا دیا ہے۔ اس نے سب رس میں فارسی، عربی، مراٹھی، گجراتی، دہلوی اور برج، بھاشا اور دکنی زبان کے الفاظ ضرب الامثال اور محاوروں کا استعمال کیا ہے۔ اس کے علاوہ جا بجا قرآنی آیتیں اور حدیثیں بھی نقل کی ہیں اور جگہ جگہ مقولے اور کہاوتیں بھی پیش کی ہیں۔ یہی وہ ساری باتیں نثر میں جگہ جگہ دلچسپی پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ ملا وجہی نے ایک طرف فارسی اسلوب سے متاثر ہونے دوسری طرف شعری لہجے کے دلدادہ ہونے کی وجہ سے سب رس میں قافیہ کا التزام رکھا ہے۔ اپنی کتاب میں قافیہ کو جس پابندی کے ساتھ استعمال کر کے اس کو مرصع کیا ہے اس کی مثال اردو کی کسی اور کتاب میں نہیں ملتی۔ مثال کے طور پر یہ اقتباس:

> غرض بہوت نادر نادر باتاں بولیا ہوں، دریا ہو کر موتیاں رولیا ہوں۔ موتیاں کی موجاں کا میں دریا ہوں۔ تمام موتیاں سے بھریا ہوں۔ اس دریا میں غوطہ کھائیں گے تا جا گا جا گا کے غواصاں موتیاں پائیں گے۔''

ان سب کے باوجود ملا وجہی نے سب رس میں جگہ جگہ اشعار کا بھی استعمال کیا ہے۔ موقع موقع سے اس نے فارسی، دکنی اور برج بھاشا کے اشعار استعمال کیا ہے جس سے عبارت میں معنوی وسعت پیدا ہوئی ہے۔ نثر میں اپنی نظم کے اس شعر کی پابندی کرتا ہے۔

جو بے ربط تو بولے بیتاں پچیس

بھلا ہے جو ایک بیت بولے سلیس

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ آسان عبارت لکھنے کا قائل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی عبارت میں مشترک زبان کے الفاظ اور محاورے ملتے ہیں جو اس وقت بولے جاتے تھے۔ جیسے کہاں راجہ بھوج کہاں گنگا تیلی، سونا اور سگندھ، شرم حضوری، دیکھا دیکھی، خالہ کا گھر اور گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے وغیرہ۔

اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ سب رس ملا وجہی کی پہلی نثری تصنیف ہے اور تمثیلی کارنامہ بھی۔ اگرچہ اس میں فن کے لحاظ سے کچھ کمیاں ضرور ہیں لیکن اپنے دور کے حساب سے یہ اردو کا بہترین کارنامہ ہے جس میں ادبی شعور پایا جاتا ہے۔ مختصر یہ کہ سب رس کی زبان اردو زبان کی نشونما اور ارتقاء کی کڑیوں کو ملانے اور سمجھنے کے سلسلے میں بڑی اہم ہے۔ اس سے ہم اس زمانے کی زبان و تحریر اور ادبی روش سے بخوبی واقف ہوتے ہیں۔

8.4۔ عمومی جائزہ:۔

سب رس اردو کی قدیم اور اہم نثری تصنیف ہے جسے ملا وجہی نے تحریر کیا۔ اس تصنیف میں داستانوی انداز کے ساتھ تمثیلی طرزِ بیان بھی ملتا ہے۔ اس میں مختلف کرداروں کے ذریعے انسانی جذبات، احساسات اور باطنی کیفیات کو علامتی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ دل، عقل، حسن اور وفا جیسے عناصر کو کرداروں کی صورت میں بیان کیا گیا ہے جس سے کہانی میں معنوی گہرائی پیدا ہوتی ہے اور قاری کو غور و فکر کا موقع ملتا ہے۔ اس تصنیف کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی تمثیلی اور داستانوی فضا ہے۔ قصے کے انداز میں مختلف اخلاقی اور فکری نکات کو بیان کیا گیا ہے جس سے عبارت میں دلچسپی اور اثر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اس میں عشق، جذبات اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے یہ صرف ایک داستان نہیں بلکہ اس میں حکمت اور دانائی کے عناصر بھی شامل ہیں۔

زبان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ تصنیف خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کی زبان سادہ، رواں اور دلکش ہے جس میں عربی، فارسی اور مقامی الفاظ کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔ بعض مقامات پر اشعار کے استعمال سے عبارت میں شعریت اور تاثیر پیدا ہو جاتی ہے۔ اسلوب میں روانی اور برجستگی پائی جاتی ہے جس کے باعث قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ مجموعی طور پر یہ تصنیف اردو نثر کے ابتدائی دور کی ایک اہم ادبی

یادگار ہے۔اس میں داستانی طرزِ بیان، تمثیل، اخلاقی نکات اور دلکش زبان واسلوب کا ایسا امتزاج ملتا ہے جو اسے اردو ادب میں نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔یہی خصوصیات اسے اردو نثر کی ترقی اور ارتقا میں ایک اہم سنگِ میل بناتی ہیں۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے سب رس کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 8.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

ا۔اس تصنیف کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی۔۔۔۔اور داستانوی فضا ہے۔

۲۔قصے کے انداز میں مختلف اخلاقی اور فکری نکات کو بیان کیا گیا ہے جس سے۔۔۔۔میں دلچسپی اور اثر پیدا ہوتا ہے۔

۳۔اس کے ساتھ ساتھ اس میں عشق، جذبات اور انسانی زندگی کے مختلف۔۔۔۔کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔اسی وجہ سے یہ صرف ایک داستان نہیں بلکہ اس میں حکمت اور دانائی کے عناصر بھی شامل ہیں۔

۴۔زبان اور اسلوب کے اعتبار سے بھی یہ تصنیف خاص۔۔۔۔رکھتی ہے۔اس کی زبان سادہ، رواں اور دلکش ہے جس میں عربی، فارسی اور مقامی الفاظ کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔

8.5 فرہنگ:۔

مافوق الفطری عناصر	ایسی قوتیں، واقعات یا مخلوقات جو فطرت کے عام قوانین، عقل اور سائنسی اصولوں سے بالا تر ہوں، مثلاً: جن، بھوت، پری، جادو، کرامت وغیرہ
تجسس	جستجو، کھوج، تحقیق، تلاش
فریفتہ	دلدادہ، گرویدہ، شیدا
تمثیلی	عالم مثال کا، مثالی، مشابہ، مطابق، ڈرامائی

مجرد	اکیلا، تنہا، صرف
اسلوب	انداز، طرز طریقہ
مرصع	نگینے جڑا ہوا، جڑاؤ، آراستہ، سجا ہوا
ضرب الامثال	وہ قول یا جملہ جو مثال کے طور پر مشہور ہو، کہاوت
تقابلی	تقابل سے منسوب یا متعلق

8.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔ملا وجی کی تصنیف ''سب رس'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے؟

سوال:۲:۔''سب رس'' کی تمثیلی خصوصیات اور اس کے اہم کرداروں پر تفصیلی نوٹ لکھیں؟

سوال:۳:۔''سب رس'' کی زبان و اسلوب اور ادبی اہمیت پر روشنی ڈالیں؟

سوال:۴:۔''سب رس'' میں پیش کیے گئے اخلاقی اور فکری پہلوؤں کا جائزہ لیجیے؟

8.7۔مشقی سوالات:۔

سوال: سب رس کے مصنف کون ہیں؟

____

____

____

____

____

____

سوال: سب رس میں کس طرزِ بیان کو اختیار کیا گیا ہے؟

سوال: سب رس میں انسانی کیفیات کو کس انداز میں پیش کیا گیا ہے؟

8.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: سب رس کے مصنف ملا وجہی ہیں۔

جواب: اس میں تمثیلی اور داستانوی طرزِ بیان اختیار کیا گیا ہے۔

جواب: انسانی کیفیات کو علامتی اور تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

جوابات:۔(۱۔تمثیلی ،۲۔عبارت ،۳۔ پہلوؤں ،۴۔اہمیت)

8.9۔امدادی کتب:۔

ا۔سب رس	مرتبہ مولوی عبدالحق
۲۔سب رس کی تنقیدی تدوین	ڈاکٹر حمیرہ جلیلی
۳۔اردو کی نثری داستانیں	پروفیسر گیان چند جین
۴۔سب رس کا تنقیدی جائزہ	منظر اعظمی
۵۔اردو نثر کا آغاز وارتقا	ڈاکٹر رفیعہ سلطانہ

سبق نمبر:۹:۔شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقا

ساخت:۔

9.0 اغراض ومقاصد

9.1 تعارف

9.2 شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقا

9.3 فورت ولیم کالج کی داستانیں

9.4 عمومی جائزہ

9.5 فرہنگ

9.6 نمونہ امتحانی سوالات

9.7 مشقی سوالات

9.8 مشقی سوالات کے جوابات

9.9 امدادی کتب

9.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

شمالی ہند میں داستان نگاری کے آغاز اوراس کے پس منظر سے آگاہی حاصل کریں گے۔

شمالی ہند کی اہم داستانوں جیسے قصہ مہر افروز و دلبر، نوطرزِ مرصع اور جذبِ عشق کے بارے میں معلومات حاصل کریں گے۔

داستان نگاری کے ارتقا اور اس کی نمایاں خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔

فورٹ ولیم کالج اور اس سے وابستہ ادیبوں کے اردو داستان نگاری میں کردار سے واقف ہوں گے۔

اردو نثر اور داستانی ادب کی ابتدائی ترقی کے بارے میں آگاہی حاصل کریں گے۔

9.1۔تعارف:۔

شاعری کی طرح اردو نثر کا آغاز بھی دکن سے ہوا۔ وجہی کی سب رس (1635ء) دکنی ادب کا شاہکار ہے۔ شمالی ہند کی کئی مشہور داستانوں کے ابتدائی نسخے بھی دکن میں ملتے ہیں مثلاً سنگھاسن بتیسی اور داستان امیر حمزہ کے علاوہ تو تا کہانی بہار دانش وغیرہ شمالی ہند سے پہلے دکن میں ترجمہ ہو چکی تھیں۔ ملکہ زمان و کام کندلا اور قصہ گل و ہرمز کا تعلق بھی دکنی دور ہی سے ہے۔ لیکن یہ قصے چونکہ زبان و بیان کے لحاظ سے تشنہ تھے اس لئے انہیں وہ شہرت نہیں ملی جو انہی کی بنیاد پر ترجمہ یا تصنیف کی گئی شمالی ہند کی داستانوں کے حصے میں آئی۔

9.2۔شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقا:۔

شمالی ہند میں اردو نثر کا ارتقا بھی شاعری کی طرح دکن کے بعد میں ہوا۔ اٹھارہویں صدی سے قبل کوئی ادبی سرمایہ نہیں ملتا۔ اٹھارہویں صدی میں کچھ قصے کچھ حکایتیں اور کچھ داستانیں ملتی ہیں۔ اس صدی کا ایک مخطوطہ 'قصہا' کے عنوان سے ایڈنبرا یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے۔ 29 صفحات کے اس مخطوطے میں پرندوں کی دانش مندی کی حکایتیں ہیں۔ محمد حسین آزاد نے آب حیات میں میر کی مثنوی شعلہ عشق کا ذکر کیا ہے جس کو سوؔدا نے نثر میں لکھا تھا لیکن اس کے کسی نسخے کا ثبوت نہیں ملتا۔ اٹھارہویں صدی کی داستانوں میں قصہ مہر افروز و دلبر، نوطرز مرصع، قصہ ملک محمد و گیتی افروز، عجائب القصص اور جذب عشق شامل ہیں۔

قصہ میر افروز و دلبر کا واحد نسخہ گوالیار میں حضرت جی کی درگاہ میں محفوظ تھا محمد غنی حضرت جی نے اسے آغا حیدر حسن دہلوی استاد شعبہ اردو، نظام کالج حیدر آباد کو نذر کیا۔ سب سے پہلے اس کا تذکرہ پروفیسر رفیعہ سلطانہ سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس، عثمانیہ یونیورٹی نے اپنے مقالے ''اُردو نثر کا آغاز وارتقا'' میں کیا لیکن انہوں نے مصنف کا نام عیسیٰ خاں لکھا۔ ڈاکٹر مسعود حسین خاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہو کر آئے تو انہوں نے اس نسخے کو 1966ء میں شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی سے شائع کیا۔ انہوں نے داستان کے مصنف کا نام عیسوی خاں اور اسے دہلوی بتایا۔ ڈاکٹر

انصاراللہ نظراس کے مصنف کومشرقی یوپی سے متعلق بتاتے ہیں۔آغا حیدرحسن خود مصنف کا نام عیسی خان سمجھتے تھے۔کیوں کہ دہلی میں دو بھائی عیسی خاں اور موسیٰ خاں ہوئے تھے۔

ڈاکٹر پرکاش مونس (پروفیسر گیان چند کے بھائی) نے اپنے تحقیقی مقالے اردو ادب پر ہندی ادب کا اثر میں یہ انکشاف کیا کہ عیسوی خاں ہندی کے جانے مانے ادیب تھے انہوں نے ہی مہرافروز ودلبرلکھی۔ڈاکٹر مسعود حسین خاں،ڈاکٹر انصاراللہ نظر اور ڈاکٹر گیان چند نے اس داستان کا لسانی تجزیہ کیا ہے۔اس داستان میں کھڑی بولی اور برج بھاشا کا امتزاج اور عام گفتگو کا انداز ملتا ہے۔اُردو میں یہ واحد داستان ہے جس میں کہیں کوئی شعر اردو، فارسی یا برج بھاشا یا کسی بھی زبان کا استعمال نہیں کیا گیا۔حالاں کہ عیسوی خاں برج میں دوہے بھی کہتے تھے۔اس داستان تک اُردو زبان تشکیل کی منزل میں تھی۔

اس کا قصہ مثنوی سحرالبیان سے ملتا جلتا ہے۔عام داستانوں کی طرح اس میں بھی بادشاہ لاولد ہے اور ناامیدی کے سبب تخت وتاج چھوڑ کر جنگل کی راہ لیتا ہے۔فقیر کی دعا سے اسے شہزادہ مہرافروز پیدا ہوتا ہے۔اس کی تربیت وزیرزادے اندیش کے ساتھ ہوتی ہے۔دونوں ایک بار پریوں کے دیس پہنچ جاتے ہیں وہاں شہزادی دلبر پر شہزادہ عاشق ہوجاتا ہے پھر کئی مہمیں سر کر کے وہ آخرکار دل برکو حاصل کر لیتا ہے۔متن 241 صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کے بعد 135 صفحات پر ایک نصیحت نامہ ہے جو بادشاہ اور وزیر اپنے اپنے بیٹوں کو سناتے ہیں۔اصل داستان میں چھ ضمنی کہانیاں ہیں۔زبان اور بیان میں ادبی چاشنی ہے۔باغ کا بیان ہو کہ شادی کے جلوس کا مصنف کا قلم بڑی روانی سے چلتا ہے کہیں تھکتا نہیں۔ عام داستانوں کی طرح اس میں بھی منظرنگاری، جذبات نگاری اور تہذیبی مرقع کشی پر خاص توجہ دی گئی ہے۔قصہ مہرافروز ودلبر اردو ہندی کے خوش گوار امتزاج کا اولین نمونہ ہے۔اس داستان کے ذریعہ دہلی کے اطراف کی بولی اور وہاں کی طرز معاشرت آداب گفتگو اور ماحول کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔''نوطرز مرصع'' اٹھارہویں صدی کی سب سے اہم داستان ہے۔اس داستان کے مؤلف میر محمد حسین عطا خاں تحسین ہیں۔اس داستان کا آغاز انہوں نے 1768ء میں کیا اور تکمیل 1775ء میں ہوئی۔شمالی ہند کی ایک اور قابل ذکر داستان ''نوآئین عرف قصئہ ملک محمد و گیتی افروز'' ہے جس کے مئولف مہر چند کھتری مہر ہیں۔جنہوں نے قصہ آذرشاہ اور سمن رخ بانو کا فارسی سے ہندی میں ترجمہ کر کے 'نوآئین ہندی' نام رکھا۔

'عجائب القصص' بھی اٹھارویں صدی کی ایک اہم داستان ہے۔اس کے مئولف دہلی کے بادشاہ شاہ عالم ثانی ہیں۔انہوں نے یہ داستان 1207ھ مطابق 1792ء میں لکھنا شروع کی۔''جذب عشق'' بھی اسی صدی کی اہم داستان ہے۔اس کے مصنف سید حسین شاہ حقیقت

بریلوی ہیں۔1852ء میں یہ داستان شائع ہوئی تھی۔

9.3۔فورٹ ولیم کالج کی داستانیں:۔

فورٹ ولیم کالج کی ابتدا1800ء میں ہوئی۔اس کالج میں اس قسم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا تھا کہ انگلستان سے آنے والے انگریز عہدہ دار اہل ملک کی زبان، ان کے خیالات، رسم ورواج، آئین وقوانین سے واقف ہو جائیں۔اس کالج میں شعبہ ہندوستانی کے صدر ڈاکٹر جان گل کرسٹ تھے جنھیں اُردو سے خاص لگاؤ تھا۔گل کرسٹ چار برس تک ہندوستانی شعبے کے صدر رہے انہوں نے اس کو خوب ترقی دی۔ہندوستانی شعبے میں اُردو، ہندی ادیبوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔میر بہادر علی حسینی، میرامن، میر حیدر بخش حیدری، شیر علی افسوس، کاظم علی جواں، خلیل علی خاں اشک، مظہر علی خاں ولا، للولال جی اور نہال چند لاہوری وغیرہ کے علاوہ ہندوستانی عملے کی تعداد 28 تک پہنچ گئی تھی۔چار سال میں 54 کتابیں تصنیف، تالیف یا ترجمہ کی گئیں جن میں 44 پر انعامات دیے گئے۔فورٹ ولیم کالج کی جانب سے جو داستانیں لکھی گئیں ان میں باغ و بہار، داستان امیر حمزہ، نگار خانہ چین، آرائش محفل، مذہب عشق، نثر بے نظیر، اخوان الصفا، خرد افروز، سنگھاسن بتیسی، بے تال پچیسی، اور' مادھونل اور کام کندلہ' قابل ذکر ہیں۔فورٹ ولیم کالج کی داستانوں میں میرامن کی''باغ و بہار''کو سب سے زیادہ شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی۔

9.3.1۔شمالی ہند کی دیگر داستانیں:۔

اردو نثر میں داستان نویسی کی روایت فورٹ ولیم کالج تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ کالج کے باہر انشااللہ خان انشا نے بھی چند دلچسپ تجربے کیے۔انھوں نے دو داستانیں 'سلک گوہر' اور 'رانی کیتکی کی کہانی' لکھیں۔ان کے علاوہ رجب علی بیگ سرور نے کئی داستانیں لکھیں۔جن میں ان کی شاہکار داستان 'فسانہ عجائب' کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی۔داستان کے فروغ میں نول کشور پریس نے بھی اہم رول ادا کیا۔اس پریس نے 'داستان امیر حمزہ' کے سلسلے میں ۶۴ جلدیں لکھوائیں اور شائع کیں۔'داستان امیر حمزہ' کے جواب میں میر محمد تقی خیال نے 'بوستان خیال' لکھی۔'بوستان خیال' محمد شاہ کے دور میں لکھی گئی جو ہر طرح سے انحطاطی دور تھا اور معاشرہ عیاشی کی طرف راغب تھا۔اس لیے اس داستان میں عیش پرستی اور رنگ رلیوں کی طرف زیادہ توجہ دی گئی۔شمالی ہند میں داستانوں کا دور تقریباً سو برس رہا۔نول کشور پریس نے امیر حمزہ، بوستان خیال اور الف لیلہ کی اشاعت سے داستان کی مقبولیت میں اضافہ کیا تھا لیکن بیسویں صدی میں ذوق بدل جانے کی وجہ سے نول کشور پریس کے محافظ خانے میں محفوظ کئی داستانیں شائع ہونے سے رہ گئیں۔رام پور میں بھی کئی داستانیں اشاعت پذیر نہ ہو سکیں۔

9.4۔عمومی جائزہ:۔

شمالی ہند میں اردو نثر کے ارتقا کے ساتھ داستان نگاری کی روایت بھی پروان چڑھی۔ اگر چہ ابتدائی زمانے میں داستانیں زیادہ تر فارسی روایت سے متاثر تھیں، لیکن رفتہ رفتہ اردو زبان میں بھی داستانوں کی تصنیف ہونے لگی اور اس صنف نے باقاعدہ ادبی حیثیت اختیار کر لی۔ شمالی ہند میں اٹھارویں صدی کے دوران داستان نگاری کو خاص فروغ حاصل ہوا۔ اس دور کی داستانوں میں قصہ مہر افروز و دلبر کو نمایاں اہمیت حاصل ہے۔ اس داستان میں عام داستانوں کی طرح بادشاہ، شہزادے، محبت اور مہمات کا ذکر ملتا ہے۔ کہانی کا مرکزی کردار شہزادہ ہے جو دلبر کا عاشق ہو جاتا ہے اور مختلف مشکلات اور مراحل سے گزر کر بالآخر کامیابی حاصل کرتا ہے۔ اس داستان میں زبان و بیان کی دلکشی نمایاں ہے اور باغ کی سیر، شادی کے مناظر اور مختلف واقعات کو نہایت رواں اور دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

اسی زمانے کی ایک اہم داستان نوطرزِ مرصع ہے جس کے مصنف میر محمد عطا حسین خان تحسین ہیں۔ انہوں نے اس داستان کا آغاز 1768ء میں کیا اور اسے 1775ء میں مکمل کیا۔ شمالی ہند میں اس داستان کو اردو داستانی ادب میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اٹھارویں صدی ہی کی ایک اور قابلِ ذکر داستان جذبِ عشق ہے۔ اس داستان کا آغاز 1207 ہجری (1792ء) میں ہوا جبکہ بعد میں 1852ء میں یہ شائع ہوئی۔ اس داستان میں عشق اور داستانوی واقعات کو خاص اہمیت دی گئی ہے۔ انیسویں صدی کے آغاز میں فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد اردو داستان نگاری کو ایک نئی سمت ملی۔ اس کالج کے قیام کا مقصد مقامی زبانوں کی تعلیم اور ان کے فروغ کو ممکن بنانا تھا۔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کی سرپرستی میں اردو اور ہندی کے ادیبوں نے زبان و ادب کی ترقی کے لیے کام کیا۔ اس سلسلے میں میر امن، میر بہادر علی حسینی، میر حیدر علی حیدری، نہال چند لاہوری اور دیگر اہلِ قلم نے اہم کردار ادا کیا۔ فورٹ ولیم کالج کے زیرِ اثر متعدد داستانیں تصنیف اور ترجمہ کی گئیں۔ ان میں باغ و بہار، داستان امیر حمزہ، آرائشِ محفل، مذہبِ عشق، اخوانِ صفا اور خرد افروز جیسی داستانیں شامل ہیں۔ ان داستانوں کی زبان نسبتاً سادہ اور عام فہم ہے اور ان کے ذریعے اردو نثر اور داستانی ادب کو فروغ حاصل ہوا۔

اس طرح شمالی ہند میں داستان نگاری کی روایت اٹھارویں صدی سے باقاعدہ طور پر سامنے آتی ہے اور فورٹ ولیم کالج کے دور میں اسے مزید تقویت حاصل ہوتی ہے۔ اس دور میں لکھی جانے والی داستانوں نے اردو نثر کے ارتقا اور داستانی ادب کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے شمالی ہند میں داستان کا آغاز وارتقاء تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 9.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

۱۔قصہ میر افروز ودلبر کا واحد نسخہ گوالیار میں حضرت جی کی۔۔۔۔۔میں محفوظ تھا محمد غنی حضرت جی نے اسے آغا حیدر حسن دہلوی استاد شعبہ اردو،نظام کالج حیدرآباد کو نذر کیا۔

۲۔سب سے پہلے اس کا تذکرہ پروفیسر رفیعہ سلطانہ سابق ڈین فیکلٹی آف آرٹس،عثمانیہ یونیورٹی نے اپنے مقالے''اُردو نثر کا آغاز وارتقا''میں کیا لیکن انہوں نے مصنف کا نام۔۔۔۔لکھا۔

۳۔ڈاکٹر مسعود حسین خاں عثمانیہ یونیورسٹی میں پروفیسر ہوکر آئے تو انہوں نے اس نسخے کو۔۔۔۔۔میں شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی سے شائع کیا۔

۴۔انہوں نے داستان کے مصنف کا نام عیسوی خاں اور اسے۔۔۔۔۔۔بتایا۔ڈاکٹر انصار اللہ نظر اس کے مصنف کو مشرقی یوپی سے متعلق بتاتے ہیں۔آغا حیدر حسن خود مصنف کا نام عیسی خان سمجھتے تھے۔کیوں کہ دہلی میں دو بھائی عیسی خاں اور موسیٰ خاں ہوئے تھے۔

9.5 ۔فرہنگ:۔

تجزیہ	کسی مرکب کے اجزا کو الگ الگ کرنا جن سے اس کی ترکیب ہوئی ہے
سمت	جانب،رخ،طرف
اسلوب	انداز،طرزطریقہ
مرصع	نگینے جڑا ہوا،جڑاؤ،آراستہ،سجا ہوا

ضرب الامثال	وہ قول یا جملہ جو مثال کے طور پر مشہور ہو، کہاوت
مقفیٰ	قافیے دار
متروک	ترک کیا ہوا
مہمات	اہم امور، بڑے بڑے کام، معرکے، جنگیں، لڑائیاں

9.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:۱:۔ شمالی ہند میں داستان نگاری کے آغاز اور اس کے ارتقا کا تفصیل سے جائزہ لیجیے؟

سوال:۲:۔ ''نوطرزِ مرصع '' کی اہمیت اور اس کے مصنف میر محمد عطا حسین خان تحسین کے داستانی کارناموں پر روشنی ڈالیے؟

سوال:۳:۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام نے اردو داستان نگاری کی ترقی میں کیا کردار ادا کیا؟ تفصیل سے بیان کیجیے؟

سوال:۴:۔ شمالی ہند کی داستانوں میں موضوعات اور طرزِ بیان کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے؟

9.7۔مشقی سوالات:۔

سوال 1:۔نوطرزِ مرصع کے مصنف کون ہیں؟

____

____

____

____

____

____

سوال 2:۔جذبِ عشق داستان کب مکمل ہوئی اور کب شائع ہوئی ؟

____

سوال 3:۔فورٹ ولیم کالج کے قیام کا بنیادی مقصد کیا تھا؟

9.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب:۔ نوطرزِ مرصع کے مصنف میر محمد عطا حسین خان تحسین ہیں جنہوں نے اس داستان کا آغاز 1768ء میں کیا اور 1775ء میں اسے مکمل کیا۔

جواب:۔ جذبِ عشق داستان 1207 ہجری (1792ء) میں مکمل ہوئی جبکہ 1852ء میں یہ شائع ہوئی۔

جواب:۔ فورٹ ولیم کالج کے قیام کا مقصد مقامی زبانوں کی تعلیم دینا اور اردو و ہندی زبان و ادب کو فروغ دینا تھا۔

جوابات:۔(۱۔درگاہ،۲۔عیسیٰ خان،۳۔۱۹۶۶ء،۴۔دہلوی)

9.9۔امدادی کتب:۔

۱۔	اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین
۲۔	اردو اور فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد
۳۔	ارباب نثر اردو	سید محمد
۴۔	ہماری داستانیں	وقار عظیم
۵۔	اردو داستان	سہیل بخاری
٦۔	اردو نثر کا آغاز وارتقاء	رفیعہ سلطانہ

سبق نمبر:۱۰:۔میر امن بحیثیت داستان نگار

ساخت

10.0 اغراض ومقاصد

10.1 تعارف

10.2 میر امن مختصر حالات زندگی

10.3 میر امن بحیثیت داستان نگار

10.4 عمومی جائزہ

10.5 فرہنگ

10.6 نمونہ امتحانی سوالات

10.7 مشقی سوالات

10.8 مشقی سوالات کے جوابات

10.9 امدادی کتب

10.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

میر امن کی شخصیت اوران کے ادبی مقام سے واقف ہوسکیں گے۔

میر امن کی داستان نگاری کی خصوصیات کوسمجھ سکیں گے۔

میر امن کے طرزِ بیان اور سادہ نثر کی اہمیت کو جان سکیں گے۔

داستان میں انسانی زندگی اور معاشرتی حالات کی عکاسی کو پہچان سکیں گے۔

10.1۔تعارف:۔

اردو کے افسانوی نثر میں داستانوں کا ادبی مقام ومرتبہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن وقت کی قلت اور لوگوں کی بڑھتی ہوئی مصروفیت، مافوق الفطرت واقعات کے بجائے حقیقت کی ترجمانی کے تقاضوں نے فن داستان گوئی کو منفی انداز میں متاثر کیا اور اس کی جگہ ناول، افسانہ اور دیگر نثری اصناف نے لے لی۔ اردو ادب میں طویل اور مختصر داستانوں کا ایک وسیع ذخیرہ موجود ہے۔ اردو کی مختصر داستانوں میں سے ایک ''باغ و بہار'' بھی ہے جو محض اپنے لطف بیان اور سلاست زبان یعنی اسلوب نگارش اور معاشرت کی مرقع نگاری کی وجہ سے اہمیت کی حامل ہے۔''باغ و بہار'' فارسی کی مشہور داستان قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے، جسے میر امن نے جان گلکرسٹ کے کہنے پر فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں کیا ہے۔ میر امن کے علاوہ محمد اویس زریں، شوق اورنگ آبادی اور مراد علی شاہ لاہوری نے بھی قصہ چہار درویش کا فارسی سے اردو میں منثور و منظوم ترجمہ کیا لیکن جو شہرت میر امن کے باغ و بہار کو ملی وہ کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔ واقعہ تو یہ بھی ہے کہ فورٹ ولیم کالج سے اردو کی تقریباً 63 مترجمہ کتا میں شائع ہوئیں لیکن باغ و بہار سب سے زیادہ مقبول ہوئی۔

10.2۔میر امن مختصر حالات زندگی:۔

جب ہم قدیم اردو زبان وادب کے نثری سرمائے پر نظر ڈالتے ہیں، تو ہمیں خصوصاً فورٹ ولیم کالج کے مشہور صاحب قلم میر امن اور ان کی مشہور نثری تصنیف ''باغ و بہار پر نظر ٹھہرتی ہے۔ میر امن کا اصلی نام میر امان اور امن تخلص تھا مگر میر امن کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔ میر امن دہلی کے رہنے والے تھے، ان کا خاندان مغلیہ دربار سے وابستہ رہا۔ مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ ان کے خاندان پر بھی زوال آ گیا، احمد شاہ ابدالی کے حملے میں جب ان کا گھر لوٹا گیا، تو دہلی چھوڑ کر عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔ پھر ملازمت کے لیے کلکتہ کا سفر کیا، جہاں 1801ء میں میر بہادر علی حسینی کی مدد سے ان کی ملاقات جان گل کرسٹ سے ہوتی ہے۔ گل کرسٹ نے انھیں فورٹ ولیم کالج میں شعبہ تصنیف و تالیف میں ملازم رکھا، میر امن نے دو کتابیں تصنیف کیں جن میں 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے باغ و بہار ایک خاص ضرورت یعنی انگریز افسروں کو اردو سکھانے کے لئے لکھی تھی۔ اس لئے اس میں آسان اردو کا استعمال ملتا ہے۔ بقیہ ان کے حالات زندگی پردہ خفا میں ہیں۔

10.3۔میر امن بحیثیت داستان نگار:۔

میر امن دراصل ایک اچھے داستان نگار ہیں، ان کی نثری خدمات سے کوئی انکار نہیں کرسکتا۔انھوں نے باغ و بہار کو ایک عہد کی معاشرت کے حوالے سے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔کیونکہ داستان کی قدروقیمت اس میں مضمر ہے، کہ یہ ہمارے اجتماعی لاشعور کا ایسا نقشہ ہیں، جس میں عوام الناس کے معتقدات اور تہذیبی سطح پر کامرانیوں اور ناکامیوں کا بیان ہوا ہو۔باغ و بہار ایسی ہی داستانوں میں سے ہے جو میر امن کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔میر امن کے پیش نظر ناول کی تکنیکی باریکیاں نہیں تھیں۔اس کے بارے میں تو زیادہ سے زیادہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر داستان کی طرح باغ و بہار میں ناول کے پیچیدہ قصے کی ابتدائی سیدھی اور سپاٹ حالت، ناول کے باترتیب پلاٹ کا ابتدائی بے تکا پن، ناول کے حقیقی اور دل چسپ کردار کی ابتدائی مبالغہ آمیز اور بے ڈھنگی صورت اور ناول کے گہرے فلسفی اور جذباتی اثر کی ابتدائی معصومیت نظر آتی ہے۔میر امن دراصل کوئی داستان شعوری طور پر تخلیق نہیں کررہے تھے لیکن اس میں داستان کے تقریباً سبھی اجزائے ترکیبی شامل ہونے کی وجہ سے داستان کا نام دیا گیا ہے۔

داستان زندگی سے حاصل شدہ مواد کو تخیلی سطح پر قبول کرتی ہے۔اور اس سے نئی ترتیب اور نئی معنویت عطا کرکے کبھی زندگی کے آلام کو سہنے، کبھی زندگی کے تلخ حقائق کو برداشت کرنے اور کبھی زندگی سے روگردانی کرکے ایک دنیا آباد کرنے کا سلیقہ سکھاتی ہے۔باغ و بہار میں مافوق الفطرت عناصر بھی ہیں۔اتفاقات بھی ہیں، اور خواہشات کی فوری تکمیل کے وسائل بھی اور زندگی کے مضحکہ خیز اور بے تکے پہلو بھی ہیں، جنھیں اپنی ذات سے الگ کرکے دیکھنے اور ان سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت داستان گو حاصل کرتا ہے۔میر امن نے اس کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ میر امن نے باغ و بہار میں دو مقامات پر مافوق الفطرت عناصر سے بھی کام لیا ہے ورنہ کہانی کا عام انداز انسانی زندگی کی تصویر کشی اور اس کے عجائب کو اتفاق اور اچانک ظہور پذیر ہونے والے حوادث کے ذریعے دلچسپ اور مسحور کن بناتا ہے۔میر امن نے فنی کارکردگی کو زیادہ مکمل کرنے کے لئے، حیرت و استعجاب کو بیدار کرنے کے لئے معلومات کے ذخیرہ وافر سے بھی کام لیا ہے۔اس لیے اس میں دربار، آداب محفل، کھانوں کے نام، ظروف کے نام، پودوں کے نام، درختوں کے نام، بیاہ شادی کی رسوم، بچے کی پیدائش سے متعلق کوائف، زیورات، ہر طبقے کے لباس سے قصے کو زیادہ موثر بنایا ہے۔اس لیے میر امن کے یہاں ہمیں داستان کی تمام خصوصیات تقریباً نظر آتی ہیں۔باغ و بہار میں ایک مرکزی قصہ ہے۔جو آزاد بخت بادشاہ کا ہے۔جس کے اردگرد مختلف چھوٹے چھوٹے قصے نظر آتے ہیں، پلاٹ میں الجھاو اور پیچیدگی داستان کا عیب نہیں، بلکہ حسن ہے، جس کی وجہ سے پلاٹ کی بے ربطی داستان کی فضا میں دلکشی و تاثیر سے آثار پیدا کرنے میں مدد کرتی ہے۔

داستان گوئی کی ایک خصوصیت طوالت ہے جو اسے دوسرے اصناف سے جدا کرتا ہے، میر امن نے ایک داستان گو کی حیثیت سے اس کا

پورا خیال رکھا ہے جس میں ضمنی قصوں کو طول دینے کے لیے پیش کیا ہے۔میر امن نے کردارنگاری کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ کردار کو اسی طرح پیش کیا جائے جس طرح کا کردار ہے، گویا میر امن نے جتنے کردار بیان کیے ہیں۔اسی اعتبار سے ان کی زبان بھی استعمال کی ہے۔ جس سے ان کی داستان کو چار چاند لگ گئے ہیں۔معاشرے کی مرقع کشی اس طرح کی ہے، کہ گویا مغلیہ عہد کی تہذیب و معاشرت کی تصویر ہی بنا ڈالی ہے۔جس میں ہندوستانی زندگی کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔منظر نگاری کے سلسلے میں ایسا سماں باندھا ہے کہ آنکھوں کے سامنے ویسی ہی کھنچ جاتی ہے۔اس میں عشق کی کہانی بھی ہے۔اور داستان کا خاتمہ خیر کا شر پر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔اس مختصر جائزے سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ میرا امن نے باغ و بہار میں جس طرح داستانوی پہلو اپنایا ہے وہ انھیں کا حصہ ہے کیونکہ شاید ہی کوئی جز داستان کا بچا ہو، جوانھوں نے بخوبی نہ اپنایا نہ ہو، یہ بات اور ہے کہ وہ شعوری طور پر کوئی داستان نہیں لکھ رہے تھے مگر وہی اردو کی شاہر کار داستان ٹھہرتی ہے اور میر امن کو ایک کامیاب داستان گو کی حیثیت سے تسلیم کرتے ہیں۔

10.4۔عمومی جائزہ:۔

میر امن اردو نثر کے ابتدائی اہم مصنفین میں شمار ہوتے ہیں اور فورٹ ولیم کالج کے نمایاں مصنفین میں ان کا خاص مقام ہے۔ان کا اصلی نام میر امان تھا۔مغل سلطنت کے زوال کے زمانے میں حالات کی تبدیلی کے باعث ان کا خاندان دہلی سے لکھنؤ اور پھر کلکتہ منتقل ہوا۔کلکتہ میں میر امن کی ملاقات جان گل کرسٹ سے ہوئی اور انہوں نے فورٹ ولیم کالج میں تصنیف و تالیف کا کام انجام دیا۔اسی دور میں انہوں نے اپنی معروف تصنیف''باغ و بہار''تحریر کی جو اردو نثر کی اہم کتابوں میں شمار ہوتی ہے۔میر امن بنیادی طور پر ایک اچھے داستان گو تھے۔ان کی تصنیف''باغ و بہار''میں داستانی طرزِ بیان نمایاں طور پر ملتا ہے۔اس داستان کی بنیاد زندگی سے حاصل شدہ مواد اور انسانی تجربات پر ہے۔میر امن نے اس میں انسانی زندگی، معاشرتی حالات اور عام لوگوں کی زندگی کو نہایت فطری انداز میں پیش کیا ہے۔اس داستان میں انسان کے جذبات، خواہشات اور مختلف واقعات و اتفاقات کی عکاسی بھی ملتی ہے جس کے ذریعے زندگی کی ایک واضح تصویر سامنے آتی ہے۔

''باغ و بہار''میں داستان کے نمایاں عناصر موجود ہیں۔اس میں واقعات کی ترتیب، کرداروں کی پیش کش اور ماحول کی تصویر کشی ایسی ہے کہ قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔داستان کا مرکزی قصہ چار درویشوں کی کہانی پر مبنی ہے جس میں مختلف کردار اور واقعات شامل ہیں۔اگرچہ بعض کردار غیر حقیقی محسوس ہوتے ہیں، لیکن ان کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو نمایاں کیا گیا ہے۔میر امن نے کردارنگاری کو اس

انداز میں پیش کیا ہے کہ کردار کہانی کی پیش رفت میں مؤثر کردار ادا کرتے ہیں۔زبان و بیان کے اعتبار سے بھی میرامن کی نثر نہایت سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔انہوں نے دہلی کی بول چال کی زبان کو اختیار کیا جس سے بیان میں فطری پن اور دلکشی پیدا ہوگئی ہے۔اسی سادہ اور موثر طرزِ بیان کے باعث ''باغ و بہار'' کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور یہ اردو داستانی ادب کی ایک اہم مثال بن گئی۔اس طرح میرامن نے اپنی داستان نگاری کے ذریعے انسانی زندگی، معاشرتی حالات اور مختلف واقعات کو دلچسپ اور دلکش انداز میں پیش کر کے اردو نثر میں نمایاں مقام حاصل کیا۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے میرامن بحیثیت داستان نگار کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 10.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

ا۔میرامن کا اصلی نام ۔۔۔۔۔اور امن تخلص تھا مگر میرامن کے نام سے ہی مشہور ہوئے۔

۲۔میرامن ۔۔۔۔۔۔کے رہنے والے تھے،ان کا خاندان مغلیہ دربار سے وابستہ رہا۔

۳۔مغل سلطنت کے زوال کے ساتھ ان کے خاندان پر بھی زوال آ گیا،۔۔۔۔۔کے حملے میں جب ان کا گھر لوٹا گیا، تو دہلی چھوڑ کر عظیم آباد (پٹنہ) چلے گئے۔پھر ملازمت کے لیے کلکتہ کا سفر کیا، جہاں 1801ء میں میر بہادر علی حسینی کی مدد سے ان کی ملاقات جان گل کرسٹ سے ہوتی ہے۔

۴۔۔۔۔۔۔نے انھیں فورٹ ولیم کالج میں شعبہ تصنیف وتالیف میں ملازم رکھا، میرامن نے دو کتابیں تصنیف کیں جن میں 'باغ و بہار' اور 'گنج خوبی' قابل ذکر ہیں۔

۵۔انھوں نے باغ و بہار ایک خاص ضرورت یعنی انگریز افسروں کو اردو سکھانے کے لئے لکھی تھی۔اس لئے اس میں آسان ۔۔۔۔۔کا استعمال ملتا ہے۔بقیہ ان کے حالات زندگی پردہ خفا میں ہیں۔

10.5۔فرہنگ:۔

منظوم	نظم کیا ہوا،ایک کڑی میں پرویا ہوا
مضمر	دل میں پوشیدہ رکھا گیا
سعی	کوشش،محنت
پیچیدہ	الجھا ہوا،مشکل،کٹھن
مسحور کن	جادوئی،دلکش
طوالت	درازی،لمبائی،دیر
مرقع کشی	منظر،واقع
منتقل	ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچایا گیا،تبدیل کیا ہوا

10.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔میر امن بحیثیت داستان نگار تفصیلی جائزہ پیش کیجیے؟

سوال:۲:۔میر امن کی داستان نگاری کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے؟

سوال:۳:۔میر امن کی داستان نگاری میں انسانی زندگی اور معاشرتی حالات کی عکاسی کس طرح ملتی ہے؟وضاحت کیجیے؟

10.7۔مشقی سوالات:۔

سوال:میر امن کا اصلی نام کیا تھا؟

سوال: میر امن کی نثر کی ایک نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

سوال: میر امن کی داستان نگاری میں کن پہلوؤں کی عکاسی ملتی ہے؟

10.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: میر امن کا اصلی نام میر امان تھا؟

جواب: میر امن کی نثر سادہ، رواں اور عام فہم ہے؟

جواب: ان کی داستان نگاری میں انسانی زندگی، جذبات اور معاشرتی حالات کی عکاسی ملتی ہے؟

جوابات:۔(۱۔میر امن،۲۔دہلی،۳۔احمد شاہ ابدالی،۴۔گل کراسٹ،۵۔اردو)

10.9۔امدادی کتب:۔

۱۔	اردو ادب کی تاریخ: جلد اول اور دوم	ڈاکٹر جمیل جالبی
۲۔	اردو داستان: تحقیق و تنقید	قمر الہدی فریدی
۳۔	داستان سے ناول تک	ڈاکٹر ابن کنول
۴۔	باغ و بہار از میر امن دہلوی	مرتبہ: رشید حسن خان
۵۔	اردو ادب کی مختصر تاریخ	انور سدید
۶۔	باغ و بہار: ایک تجزیہ	ڈاکٹر وحید قریشی
۷۔	باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ	امام مرتضی نقوی
۸۔	باغ و بہار تنقید کے آئینے میں	سلیم اختر

سبق نمبر:۱۱:۔ باغ و بہار۔ متن کی تدریس

(شروع قصے کا تا سرگزشت آزاد بخت بادشاہ کی)

ساخت

11.0 اغراض ومقاصد
11.1 تعارف
11.2 شروع قصے کا
11.3 سیر پہلے درویش کی
11.3.1 سیر دوسرے درویش کی تا سرگزشتا آزاد بخت بادشاہ کی
11.4 عمومی جائزہ
11.5 فرہنگ
11.6 نمونہ امتحانی سوالات
11.7 مشقی سوالات
11.8 مشقی سوالات کے جوابات
11.9 امدادی کتب

11.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

باغ و بہار کے متن کو پڑھ کر اس کے مرکزی خیال کو سمجھ سکیں گے۔

باغ و بہار کی سادہ اور رواں زبان کے انداز کو پہچان سکیں گے۔

باغ و بہار کے متن میں بیان کیے گئے کرداروں اور واقعات کو سمجھ سکیں گے۔

باغ و بہار کے متن میں استعمال ہونے والے محاورات اور طرزِ بیان سے واقف ہوں گے۔

باغ و بہار کے متن کے ذریعے اس دور کی تہذیب اور معاشرتی زندگی کی جھلک کو جان سکیں گے۔

11.1۔تعارف:۔

باغ و بہار اردو ادب کی مشہور اور مقبول داستانوں میں شمار ہوتی ہے۔اس کے مصنف میر امن دہلوی ہیں۔ یہ دراصل فارسی داستان قصہ چہار درویش کا اردو روپ ہے جسے میر امن نے سادہ اور عام فہم زبان میں پیش کیا۔ یہ کتاب فورٹ ولیم کالج کے زمانے میں لکھی گئی اور جلد ہی اردو نثر کی ایک اہم اور نمائندہ تصنیف بن گئی۔ باغ و بہار کی اہمیت اس بات میں ہے کہ اس میں نہ صرف ایک دلچسپ داستان بیان کی گئی ہے بلکہ اس کے ذریعے اس دور کی تہذیب، معاشرت اور طرزِ زندگی کی جھلک بھی ملتی ہے۔اس داستان میں مختلف کردار اور واقعات پیش کیے گئے ہیں جن کے ذریعے انسانی زندگی کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ کہانی میں بادشاہ، درویش اور دیگر کرداروں کے حالات و واقعات اس انداز میں بیان کیے گئے ہیں کہ قاری کی دلچسپی مسلسل برقرار رہتی ہے۔

اس داستان کی سب سے نمایاں خصوصیت اس کی زبان ہے۔ میر امن نے اس میں سادہ، رواں اور عام بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔اسی وجہ سے باغ و بہار کو اردو نثر کی معیاری اور مثالی کتاب سمجھا جاتا ہے۔اس میں محاورات، روزمرہ الفاظ اور دلکش اندازِ بیان کا خوب صورت استعمال ملتا ہے جس سے عبارت میں روانی اور دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ باغ و بہار کا متن طلبہ کے لیے بھی بہت اہمیت رکھتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے نہ صرف ایک دلچسپ داستان سے واقفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ اردو زبان کی سادگی، محاوراتی انداز اور بیانیہ اسلوب کو بھی سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔اسی بنا پر یہ داستان اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے اور آج بھی اسے دلچسپی اور اہمیت کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

11.2۔ شروع قصے کا:۔

اقتباسات:۔

(۱) اب آغاز قصے کا کرتا ہوں، ذرا کان دھر کو سنو اور منصفی کرو۔ سیر میں چار درویش کی یوں لکھا ہے، اور کہنے والے نے کہا ہے کہ آگے، روم کے ملک میں کوئی شہنشاہ تھا کہ نوشیرواں کی سی عدالت اور حاتم کی سی سخاوت، اُس کی ذات میں تھی۔ نام اُس کا آزاد بخت اور شہر قسطنطنیہ (جس کو استنبول کہتے ہیں) اس کا پائے تخت تھا۔ اس کے وقت میں رعیت آباد، خزانہ معمور، لشکر مرفہ، غریب غربا آسودہ، ایسے چین سے گزران کرتے اور خوشی سے رہتے کہ ہر ایک کے گھر میں دن عید، اور رات شب برات تھی۔ اور جتنے چور چکار، جیب کترے، صبح خیزے اٹھائی گیرے، دغا باز تھے، سب کو نیست و نابود کر کر، نام و نشان ان کا اپنے ملک بھر میں نہ رکھا تھا۔ ساری رات دروازے گھروں کے بند نہ ہوتے اور دکانیں بازار کی کھلی رہتیں۔ راہی، مسافر، جنگل میدان میں سونا اُچھالتے چلے جاتے، کوئی نہ پوچھتا کہ تمہارے منہ میں کے دانت ہیں، اور کہاں جاتے ہو؟

اس بادشاہ کے عمل میں ہزاروں شہر تھے اور کئی سلطان نعل بندی دیتے۔ ایسی بڑی سلطنت پر ایک ساعت اپنے دل کو خدا یاد اور بندگی سے غافل نہ کرتا۔ آرام دنیا کا جو چاہیے سب موجود تھا لیکن فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے۔ اس کی قسمت کے باغ میں نہ تھا۔ اس خاطر اکثر فکرمند رہتا اور پانچوں وقت کی نماز کے بعد اپنے کریم سے کہتا کہ ''اے اللہ! مجھ کو تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا۔ یہی ارمان جی میں باقی ہے کہ میرا نام لیوا اور پانی دیوا کوئی نہیں، اور تیرے خزانہ غیب میں سب کچھ موجود ہے، ایک بیٹا جیتا جاگتا مجھے دے تو میرا نام اور اس سلطنت کا نشان قائم رہے۔''

(۲) اسی اُمید میں بادشاہ کی عمر چالیس برس کی ہوگئی ایک دن شیش محل میں نماز ادا کر کر، وظیفہ پڑھ رہے تھے ایک بارگی آئینے کی طرف خیال جو کرتے ہیں تو ایک سفید بال موچھوں میں نظر آیا، کہ مانند تار مقیش کے چمک رہا ہے۔ بادشاہ دیکھ کر آب دیدہ ہوئے اور ٹھنڈی سانس بھری پھر دل میں اپنے سوچ لیا کہ افسوس! تو نے اتنی عمر ناحق برباد کی، اور اس دنیا کی حرص میں ایک عالم کو زیر و زبر کیا۔ اتنا ملک جو لیا، اب تیرے کس کام آوے گا؟ آخر یہ سارا مال اسباب کوئی دوسرا اُڑا دے گا۔ تجھے تو پیغام موت کا آ چکا اگر کوئی دن جئے بھی تو بدن کی طاقت کم ہوگی، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری تقدیر میں نہیں لکھا کہ وارث چھتر اور تخت کا پیدا ہو۔ آخر ایک روز مرنا ہے اور سب کچھ چھوڑ جانا ہے اس سے یہی بہتر ہے کہ میں ہی اسے چھوڑ دوں اور باقی زندگی اپنے خالق کی یاد میں کاٹوں یہ بات اپنے دل میں ٹھہرا کر، پائیں باغ میں جا کر، سب مجرائیوں کو جواب دے کر فرمایا کہ کوئی آج سے میرے پاس نہ آوے، سب دیوان عام میں آیا جایا کریں اور اپنے کام میں مستعد رہیں یہ کہہ کر آپ ایک مکان میں جا بیٹھے اور مصلا بچھا کر عبادت میں مشغول ہوئے سوائے رونے اور آہ بھرنے کے کچھ کام نہ تھا۔ اسی طرح بادشاہ آزاد بخت کو کئی دن

گزرے، شام کو روزہ کھولنے کے وقت ایک چھہارا کھاتے اور تین گھونٹ پانی پیتے اور تمام دن رات جانماز پر پڑے رہتے۔ اس بات کا باہر چرچا پھیلا، رفتہ رفتہ تمام ملک میں خبر گئی کہ بادشاہ نے بادشاہت سے ہاتھ کھینچ کر، گوشہ نشینی اختیار کی۔ چاروں طرف غنیموں اور مفسدوں نے سر اٹھایا اور قدم اپنی حد سے بڑھایا۔ جس نے چاہا، ملک دبا لیا اور سرانجام سرکشی کا کیا۔ جہاں کہیں حاکم تھے۔ ان کے حکم میں خلل عظیم واقع ہوا۔ ہر ایک صوبے سے عرضی بدعملی کی حضور میں پہنچی۔ درباری اُمرا جتنے تھے، جمع ہوئے اور صلاح مصلحت کرنے لگے۔

(۳) خردمند کو تاب نہ رہی، بے اختیار دوڑ کر قدموں پر جا گرا۔ بادشاہ نے ہاتھ سے سر اس کا اٹھایا اور فرمایا: لو، مجھے دیکھا، خاطر جمع ہوئی؟ اب جاؤ، زیادہ مجھے نہ ستاؤ تم سلطنت کرو۔ خردمند سن کر ڈاڑھ مار کر رویا اور عرض کی: غلام کو آپ کے تصدق اور سلامتی سے ہمیشہ بادشاہت میسر ہے لیکن جہاں پناہ کی یک بہ یک اس طرح کی گوشہ گیری سے تمام ملک میں تہلکہ پڑ گیا ہے اور انجام اس کا اچھا نہیں یہ کیا خیال مزاج مبارک میں آیا؟ اگر اس خانہ زاد موروثی کو بھی محرم اس راز کا کیجئے تو بہتر ہے، جو کچھ عقل ناقص میں آوے، التماس کرے غلاموں کو جو یہ سرفرازیاں بخشی ہیں، اسی دن کے واسطے کہ بادشاہ عیش و آرام کریں اور نمک پروردے تدبیر میں ملک کی رہیں۔ خدانہ خواستہ، جب فکر مزاج عالی کے لاحق ہوئی، تو بندہائے پادشاہی کس دن کام آویں گے؟ بادشاہ نے کہا: سچ کہتا ہے، پر جو فکر میرے جی کے اندر ہے، سو تدبیر سے باہر ہے۔

(۴) خردمند ان کے باپ کا وزیر تھا۔ جب یہ شہزادے تھے تب سے محبت رکھتا تھا۔ علاوہ، دانا اور نیک اندیش تھا کہنے لگا: خدا کی جناب سے ناامید ہونا ہرگز مناسب نہیں جس نے ہیژدہ ہزار عالم کو ایک حکم میں پیدا کیا، تمہیں اولاد دینی اس کے نزدیک کیا بڑی بات ہے؟ قبلہ عالم! اس تصور باطل کو دل سے دور کرو نہیں تو تمام عالم درہم برہم ہو جاوے گا، اور یہ سلطنت کس کس محنت اور مشقت سے تمہارے بزرگوں نے اور تم نے پیدا کی ہے؟ ایک ذرا میں ہاتھ سے نکل جائے گی۔ اور بے خبری سے ملک ویران ہو جائے گا۔ خدانخواستہ بدنامی حاصل ہو گی۔ اس پر بھی باز پرس روز قیامت کی ہوا چاہے، کہ تجھے بادشاہ بنا کر اپنے بندوں کو تیرے حوالے کیا تھا، تو ہماری رحمت سے مایوس ہوا اور رعیت کو حیران پریشان کیا، اس سوال کا کیا جواب دو گے؟ پس عبادت بھی اس روز کام نہ آوے گی۔ اس واسطے کہ آدمی کا دل خدا کا گھر ہے۔ اور پادشاہ فقط عدل کے واسطے پوچھے جائیں گے۔ غلام کی بے ادبی معاف ہو۔ گھر سے نکل جاتا اور جنگل جنگل پھرنا، کام جوگیوں اور فقیروں کا ہے۔ نہ کہ بادشاہوں کا۔ تم اپنے جوگا کام کرو، خدا کی یاد اور بندگی، جنگل پہاڑ پر موقوف نہیں۔ آپ نے یہ بیت سنی ہو گی۔

خدا اس پاس، یہ ڈھونڈھے جنگل میں
ڈھنڈھورا شہر میں، لڑکا بغل میں

(۵)	جب بادشاہ کے دل کو تسلی ہوئی، تب وزیر سے پوچھا کہ اور سب امیر و دبیر کیا کرتے ہیں اور کس طرح ہیں؟ اس نے عرض کی کہ سب ارکان دولت، قبلہ عالم کے جان و مال کو دعا کرتے ہیں، آپ کی فکر سے سب حیران و پریشان ہو رہے ہیں، جمال مبارک اپنا دکھائے تو سب کی خاطر جمع ہووے، چنانچہ اس وقت دیوان عام میں حاضر ہیں۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم کیا انشاء اللہ تعالیٰ کل دربار کروں گا۔ سب کو کہہ دو، حاضر رہیں۔ خردمند یہ وعدہ سن کر خوش ہوا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا دی کہ جب تلک یہ زمین و آسمان برپا ہیں تمہارا تاج و تخت قائم رہے۔ اور حضور سے رخصت ہو کر خوشی خوشی باہر نکلا اور یہ خوش خبری امراؤں سے کہی۔ سب امیر ہنسی خوشی گھر کو گئے۔ سارے شہر میں آنند ہو گئی۔ رعیت پر جا مگن ہوئی کہ کل بادشاہ دربار عام کرے گا۔ صبح کو سب خانہ زاد اعلیٰ ادنی اور ارکان دولت چھوٹے بڑے اپنے اپنے پائے اور مرتبے پر آ کر کھڑے ہوئے اور منتظر جلوہ بادشاہی کے تھے۔

11.3۔ سیر پہلے درویش کی:۔

اقتباسات:۔

پہلا درویش دوزانو ہو بیٹھا اور اپنی سیر کا قصہ اس طرح سے کہنے لگا:

یا معبود اللہ! ذرا ادھر متوجہ ہو اور ماجرا اس بے سر و پا کا سنو!

یہ سرگذشت میری ذرا کان دھر سنو!	مجھ کو فلک نے کر دیا زیر و زبر سنو!
جو کچھ کہ پیش آئی ہے شدت مرے تئیں	اس کا بیان کرتا ہوں، تم سر بہ سر سنو!

(۱)	اے یاراں! میری پیدائش اور وطن بزرگوں کا ملک یمن ہے والد اس عاجز کا ملک التجار خواجہ احمد نام، بڑا سوداگر تھا۔ اس وقت میں کوئی مہاجن یا بیاری ان کے برابر نہ تھا۔ اکثر شہروں میں کوٹھیاں اور گماشتے خرید و فروخت کے واسطے مقرر تھے اور لاکھوں روپے نقد اور جنس ملک ملک کی گھر میں موجود تھی۔ ان کے یہاں دو لڑکے پیدا ہوئے، ایک تو یہی فقیر، جو کفنی سیلی۔ بھی پہنے ہوئے مرشدوں کی حضوری میں حاضر اور بولتا ہے، دوسری ایک بہن جس کو قبلہ گاہ نے اپنے جیتے جی اور شہر کے سوداگر بچے سے شادی کر دی تھی وہ اپنی سُسرال میں رہتی تھی۔ غرض جس کے گھر میں اتنی دولت اور ایک لڑکا ہو، اس کے لاڈ پیار کا کیا ٹھکانا ہے؟ مجھ فقیر نے بڑے چاؤ چوز سے ماں باپ کے سائے میں پرورش پائی اور پڑھنا لکھنا سپاہ گری کا کسب وفن، سوداگری کا بہی کھاتا، روزنامہ، سیکھنے لگا۔ چودہ برس تک نہایت خوشی اور بےفکری میں گزرے کچھ دنیا کا

اندیشہ دل میں نہ آیا۔ یک بہ یک ایک ہی سال میں والدین قضائے الٰہی سے مرے گئے۔

(۲) عجب طرح کا غم ہوا، جس کا بیان نہیں کرسکتا۔ ایک بارگی یتیم ہوگیا۔ کوئی سر پر بوڑھا بڑا نہ رہا۔ اس مصیبت ناگہانی سے رات دن رویا کرتا، کھانا پینا سب چھوٹ گیا۔ چالیس دن جوں توں کر کئے، چہلم میں اپنے بیگانے چھوٹے بڑے جمع ہوئے۔ جب فاتحہ سے فراغت ہوئی، سب نے فقیر کو باپ کی پگڑی بندھوائی، اور سمجھایا: دنیا میں سب کے ماں باپ مرتے آئے ہیں، اور اپنے تئیں بھی ایک روز مرنا ہے۔ پس صبر کرو۔ اپنے گھر کو دیکھو۔ اب باپ کی جگہ تم سردار ہوئے، اپنے کاروبار لین دین سے ہوشیار رہو۔ تسلی دے کر وہ رخصت ہوئے۔ گماشتے، کاروباری نوکر چاکر جتنے تھے، آن کر حاضر ہوئے نذریں دیں اور بولے: کوٹھے نقد و جنس کے، اپنی نظر مبارک سے دیکھ لیجیے۔ ایک بارگی جو اس دولت بے انتہا پر نگاہ پڑی، آنکھیں کھل گئیں۔ دیوان خانے کی تیاری کو حکم کیا۔ فراشوں نے فرش وفروش بچھا کر، چھت، پردے، چلو میں تکلف کی لگا دیں۔ اور اچھے اچھے خدمت گار دیدارو نوکر رکھے، سرکار سے زرق برق کی پوشاکیں بنوا دیں۔ فقیر مسند پر تکیہ لگا کر بیٹھا۔ ویسے ہی آدمی غنڈے، پھانکڑے، مفت پر کھانے پینے والے جھوٹھے خوشامدی، آ کر آشنا ہوئے اور مصاحب بنے ان سے آٹھ پہر صحبت رہنے لگی۔ ہر کہیں کی باتیں اور زٹلیں، واہی تباہی ادھر اُدھر کی کرتے اور کہتے: اس جوانی کے عالم میں کھیکی کی شراب یا گل گلاب کھنچوائیے، نازنین معشوقوں کو بلوا کر ان کے ساتھ پیجیے اور عیش کیجیے۔

(۳) اب دمڑی کی ٹھڈیاں میسر نہیں، جو چبا کر پانی پیوں۔ دو تین فاقے کڑاکے کھینچے، تاب بھوک کی نہ لا سکا۔ لاچار، بے حیائی کا برقع منہ پر ڈال کر، یہ قصد کیا، بہن کے پاس چلیے۔ لیکن یہ شرم دل میں آتی تھی کہ قبلہ گاہ کی وفات کے بعد، نہ بہن سے کچھ سلوک کیا۔ نہ خالی خط لکھا بلکہ اس دوایک خط خطوط ماتم پرسی اور اشتیاق کے جو لکھے ان کا بھی جواب اس خواب خرگوش میں نہ بھیجا۔ اس شرمندگی سے جی تو نہ چاہتا تھا، پر سوائے اُس گھر کے، اور کوئی ٹھکانا نظر میں نہ ٹھہرا۔ جوں توں پا پیادہ، خالی ہاتھ گرتا پڑتا، ہزار محنت سے وہ کئی منزلیں کاٹ کر ہمشیر کے شہر میں جا کر، اس کے مکان پر پہنچا۔

(۴) وہ ماجائی، میرا یہ حال دیکھ کر، بلائیں لے اور گلے مل کر، بہت روئی۔ تیل ماش اور کالے ٹکے مجھ پر سے صدقے کیے، کہنے لگی: اگر چہ ملاقات سے دل بہت خوش ہوا۔ لیکن بھیا! تیری یہ کیا صورت بنی؟ اس کا جواب میں کچھ نہ دے سکا۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا کر چپکا ہو رہا۔ بہن نے جلدی خاصی پوشاک سلوا کر، حمام میں بھیجا۔ نہا دھو کر وہ کپڑے پہنے۔ ایک مکان اپنے پاس بہت اچھا تکلف کا میرے رہنے کو مقرر کیا۔ صبح کو شربت اور لوزیات، حلوا سوہن، پستہ مغزی ناشتے کو۔ اور تیسرے پہر میوے خشک وتر، پھل پھلاری اور رات دن دونوں وقت پلاؤ، نان،

قلیے، کباب تحفہ تحفہ مزے دار منگوا کر، اپنے رو بہ رو کھلا کر جاتی۔ سب طرح خاطر داری کرتی۔ میں نے ویسی تصریح کے بعد جو یہ آرام پایا، خدا کی درگاہ میں ہزار ہزار شکر بجالایا۔ کئی مہینے اس فراغت سے گزرے کہ پاؤں اس خلوت سے باہر نہ رکھا۔

(۵) یہ دل میں کہہ کر، چاہتا ہوں کہ اپنے تئیں گراؤں بلکہ پاؤں بھی اُٹھ چکے تھے کہ کسو نے میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اتنے میں ہوش آ گیا، دیکھتا ہوں تو ایک سوار سبز پوش، منہ پر نقاب ڈالے، مجھے فرماتا ہے کہ کیوں تو اپنے مرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کے فضل سے نا اُمید ہونا کفر ہے۔ جب تلک سانس ہے، تب تلک آس ہے، اب تھوڑے دنوں میں روم کے ملک میں تین درویش تجھ سارکے، ایسی ہی مصیبت میں پھنسے ہوئے اور ایسے ہی تماشے دیکھے ہوئے، تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اور وہاں کے پادشاہ کا آزاد بخت نام ہے، اُس کو بھی ایک بڑی مشکل درپیش ہے، جب وہ بھی تم چاروں فقیروں کے ساتھ ملے گا تو ہر ایک کے دل کا مطلب اور مراد جو ہے، بخوبی حاصل ہوگی۔

11.3.1۔ سیر دوسرے درویش کی:۔

اقتباسات:۔

جب دوسرے درویش کے کہنے کی نوبت پہنچی، وہ چار زانو ہو بیٹھا اور بولا

اے یارو! اس فقیر کا ٹک ماجرا سنو! میں ابتدا سے کہتا ہوں تا انتہاء سنو!
جس کا علاج کر نہیں سکتا کوئی حکیم ہے گا ہمارا درد نپٹ لا دوا، سنو!

(۱) اے دلق پوشو! یہ عاجز پادشاہ زادہ فارس کے ملک کا ہے، ہر فن کے آدمی وہاں پیدا ہوتے ہیں، چنانچہ ''اصفہان نصف جہان'' مشہور ہے۔ ہفت اقلیم میں اس اقلیم کے برابر کوئی ولایت نہیں، کہ وہاں کا ستارہ آفتاب ہے، اور وہ ساتوں کواکب میں نیر اعظم ہے۔ آب و ہوا وہاں کی خوش، اور لوگ روشن طبع اور صاحب سلیقہ ہوتے ہیں۔ میرے قبلہ گاہ نے (جو بادشاہ اس ملک کے تھے) لڑکپن سے قاعدے اور قانون سلطنت کے تربیت کرنے کے واسطے، بڑے بڑے دانا اُستاد ہر ایک علم اور کسب کے چن کر میری اتالیقی کے لیے کیے تھے، تو تعلیم کامل ہر نوع کی پا کر، قابل ہوں۔ خدا کے فضل سے چودہ برس کے سن و سال میں سب علم سے ماہر ہوا۔ گفتگو معقول، نشست و برخاست پسندیدہ اور جو کچھ پادشاہوں کو لائق اور درکار ہے سب حاصل کیا۔ اور یہی شوق شب و روز تھا کہ قابلوں کی صحبت میں قصے ہر ایک ملک کے اور احوال اولوالعزم پادشاہوں اور نام آوروں کا سنا کروں۔

(۲)　ایک روز ایک بوڑھا اور اُس کی بُڑھیا دو تین بچے چھوٹے چھوٹے ساتھ لیے ہوئے لکڑیاں توڑنے کے واسطے، اس غار کے پاس، جہاں حاتم پوشیدہ تھا، پہنچے اور لکڑیاں اس جنگل سے چننے لگے۔ بڑھیا بولی کہ اگر ہمارے دن کچھ بھلے آتے، تو حاتم کو کہیں دیکھ پاتے اور اس کو پکڑ کر نوفل کے پاس لے جاتے تو وہ پانچ سو اشرفی دیتا اور ہم آرام سے کھاتے، اس دُکھ دھندھے سے چھوٹ جاتے۔ بوڑھے نے کہا: کیا ٹرٹر کرتی ہے؟ ہمارے طالع میں یہی لکھا ہے کہ روز لکڑیاں توڑیں اور سر پر دھر کر بازار میں بیچیں تب لون روٹی میسر آوے یا ایک روز جنگل سے باگھ لے جاوے، لے اپنا کام کر ہمارے ہاتھ حاتم کاہے کو آوے گا، اور بادشاہ سے اتنے روپے دلاوے گا؟ عورت نے ٹھنڈی سانس بھری اور چپکی ہو رہی۔

(۳)　غرض حاتم کی جواں مردی نے نہ قبول کیا کہ اپنے کانوں سے سُن کر چپکا ہو رہے۔ وونہیں باہر نکل آیا اور اس بوڑھے سے کہا کہ اے عزیز! حاتم میں ہی ہوں۔ میرے تئیں نوفل کے پاس لے چل، وہ مجھے دیکھے گا اور جو کچھ روپے دینے کا اقرار کیا ہے۔ تجھے دیوے گا۔ پیر مرد نے کہا سچ ہے کہ اس صورت میں بھلائی اور بہبودی میری البتہ ہے، لیکن وہ کیا جانے تجھ سے کیا سلوک کرے؟ اگر مار ڈالے تو میں کیا کروں؟ یہ مجھ سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ تجھ سے انسان کو۔ اپنی طمع کی خاطر دشمن کے حوالے کروں۔ وہ مال کے دن کھاؤں گا اور کب تک جیوں گا؟ آخر مر جاؤں گا، تب خدا کو کیا جواب دوں گا؟ حاتم نے بہتیری منت کی کہ مجھے لے چل، میں اپنی خوشی سے کہتا ہوں اور ہمیشہ اسی آرزو میں رہتا ہوں کہ میرا جان و مال کسو کے کام آوے تو بہتر ہے۔ لیکن وہ بوڑھا کسو طرح راضی نہ ہوا کہ حاتم کو لے جاوے، اور انعام پاوے۔

(۴)　نوفل نے اس لکڑہارے بوڑھے کو پاس بلا کر پوچھا کہ سب کہہ اصل کیا ہے؟ حاتم کو کون پکڑ لایا؟ اس بچارے نے سر سے پاؤں تک جو گزرا تھا راست کہہ سنایا اور کہا کہ حاتم میری خاطر آپ سے آپ چلا آیا ہے، نوفل، یہ ہمت حاتم کی سن کر متعجب ہوا کہ بل بے تیری سخاوت! اپنی جان کا بھی خطرہ نہ کیا۔ جتنے جھوٹھ دعوے حاتم کے پکڑ لانے کے کرتے تھے حکم کیا کہ ان کی ٹنڈیاں کس کر پان سو اشرفی کے بدلے پان پان سے جوتیاں ان کے سر پر لگاؤ کہ ان کی بھی جان نکل پڑے۔ وونہیں تڑتڑ پیزاریں پڑنے لگیں کہ ایک دم میں سر ان کے گنجے ہو گئے۔ سچ ہے، جھوٹھ بولنا ایسا ہی گناہ ہے کہ کوئی اس کو نہیں پہنچتا۔ خدا سب کو اس بلا سے محفوظ رکھے اور جھوٹھ بولنے کا چسکا نہ دے۔ بہت آدمی جھوٹھ موٹھ لگے جاتے ہیں لیکن آزمایش کے وقت سزا پاتے ہیں۔

(۵)　غرض ان سب کو موافق ان کے انعام دے کر، نوفل نے اپنے دل میں خیال کیا کہ حاتم سے شخص سے (کہ ایک عالم کو اس سے فیض پہنچتا ہے۔ اور محتاجوں کی خاطر جان اپنی دریغ نہیں کرتا اور خدا کی راہ میں سر تا پا حاضر ہے) دشمنی رکھنی اور اس کا مدعی ہونا مرد آدمیت اور

جواں مردی سے بعید ہے۔ وونہیں حاتم کا ہاتھ بڑی دوستی اور گرم جوشی سے پکڑ لیا اور کہا کیوں نہ ہو، جب ایسے ہو تب ایسے ہو۔ تواضع تعظیم کر کر پاس بٹھلایا اور حاتم کا ملک واملاک اور مال واسباب جو کچھ ضبط کیا تھا، وونہیں چھوڑ دیا۔ نئے سر سے سرداری قبیلہ طے کی اُسے دی اور اس بوڑھے کو پانچ سو اشرفیاں اپنے خزانے سے دلوادیں وہ دعا دیتا ہوا چلا گیا۔

(۶) یہ میری بات سن کر خفا اور بد دماغ ہوا اور جتنا مجھ سے لے کر جمع کیا تھا سب زمین میں ڈال دیا اور بولا: بس بابا! اتنے گرم مت ہو۔ اپنی کائنات لے کر رکھ چھوڑو، پھر سخاوت کا نام نہ لیجو سخی ہونا بہت مشکل ہے، تم سخاوت کا بوجھ نہیں اُٹھا سکتے، اس منزل کو کب پہنچو گے؟ ابھی دلی دور ہے۔ سخی کے بھی تین حرف ہیں، پہلے ان پر عمل کرو تب سخی کہلاؤ۔ تب تو میں ڈرا اور کہا: بھلا داتا! اس کے معنی مجھے سمجھاؤ۔ کہنے لگا س سے سمائی اور خ سے خوف الٰہی اور ی سے یاد رکھنا، اپنی پیدائیش اور مرنے کو۔ جب تلک اتنا نہ ہوئے، تو سخاوت کا نام نہ لے اور سخی کو یہ درجہ ہے کہ اگر بدکار ہو، تو بھی دوست خدا کا ہے۔ اس فقیر نے بہت ملکوں کی سیر کی ہے، لیکن سوائے بصرے کی پادشاہ زادی کے کوئی بھی دیکھنے میں نہ آیا۔ سخاوت کا جامہ خدا نے اس عورت پر قطع کیا ہے اور سب نام چاہتے ہیں پر ویسا کام نہیں کرتے۔ یہ سن کر میں نے بہت منت کی اور قسمیں دیں کہ میری تقصیر معاف کرو اور جو چاہیئے سو لو۔ میرا دیا، ہرگز نہ لیا اور یہ بات کہتا ہوا چلا: اب اگر اپنی ساری بادشاہت مجھے دے تو اس پر بھی نہ تھوکوں اور نہ دھر ماروں وہ تو چلا گیا پر بصرے کی پادشاہ زادی کی یہ تعریف سننے سے دل بے کل ہوا، کسی طرح کل نہ تھی۔ اب یہ آرزو ہوئی کہ کس صورت سے بصرے چل کر اس کو دیکھا چاہیے۔

(۷) جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا قصہ کہہ چکا، رات آخر ہوگئی۔ اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ پادشاہ آزاد بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف پر روانہ ہوا۔ محل میں پہنچ کر نماز ادا کی۔ پھر غسل خانے میں جا خلعت فاخرہ پہن کر دیوان عام میں تخت پر نکل بیٹھا اور حکم دیا کہ یساول جاوے، چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں، اُن کو بہ عزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے۔

بہ موجب حکم کے چوبدار وہاں گیا۔ دیکھا تو چاروں بے نوا اجھاڑ جھٹکا پھر، ہاتھ منہ دھو کر چاہتے ہیں کہ وسا کریں اور اپنی اپنی راہ لیں۔ چیلے نے کہا شاہ جی بادشاہ نے چاروں صورتوں کو طلب فرمایا ہے۔ میرے ساتھ چلیے۔ چاروں درویش آپس میں ایک ایک کو تکنے لگا اور چوبدار سے کہا بابا! ہم دل کے پادشاہ ہیں۔ ہمیں دنیا کے بادشاہ سے کیا کام ہے۔ اُس نے کہا میاں اللہ! مضایقہ نہیں، اگر چلو تو اچھا ہے۔ اتنے میں چاروں کو یاد آیا کہ مولا مرتضی نے جو فرمایا تھا، سو اب پیش آیا۔ خوشی ہوئی اور یساول کے ہمراہ چلے۔

(۸) آزاد بخت نے بہت تسلی اور تشفی کی اور کھانے کو منگوا کر اپنے روبرو ناشتا کروایا۔ جب فارغ ہوئے، پھر فرمایا کہ اپنا ماجراء

تمام بے کم و کاست مجھ سے کہو۔ جو مجھ سے تمہاری خدمت ہو سکے گی قصور نہ کروں گا۔ فقیروں نے جواب دیا کہ ہم پر جو جو کچھ بیتا ہے، نہ ہمیں بیان کرنے کی طاقت ہے اور نہ پادشاہ کو سنے سے فرحت ہوگی۔ اُس کو معاف کیجیے۔ تب پادشاہ نے تبسم کیا اور کہا۔ شب کو جہاں تم بستروں پر بیٹھے اپنا اپنا احوال کہہ رہے تھے، وہاں میں بھی موجود تھا۔ اب چاہتا ہوں، کہ دونوں جو باقی ہیں، وے بھی کہیں، اور چند روز، بہ خاطر جمع ہے میرے پاس رہیں کہ قدم درویشان رد بلا ہے۔ پادشاہ سے یہ بات سنتے ہی مارے خوف کے کانپنے لگے اور سر نیچے کر کے چُپ ہو رہے۔ طاقت گویائی کی نہ رہی۔

(۹) آزاد بخت نے جب دیکھا، کہ اب ان میں مارے رعب کے حواس نہیں رہے، جو کچھ بولیں۔ فرمایا کہ اس جہان میں کوئی شخص ایسا نہ ہوگا، جس پر ایک نہ ایک واردات عجیب و غریب نہ ہوئی ہوگی۔ باوجودیکہ میں پادشاہ ہوں لیکن میں نے بھی ایسا تماشا دیکھا ہے کہ پہلے میں ہی اُس کا بیان کرتا ہوں۔ تم نہ خاطر جمع ہو۔ درویشوں نے کہا پادشاہ سلامت! آپ کا الطاف فقیروں کے حال پر ایسا ہے، ارشاد فرمایئے۔ آزاد بخت نے اپنا احوال کہنا شروع کیا اور کہا۔ ؎

اے شاہو پادشاہ کا اب ماجرا سنو
جو کچھ کہ میں نے دیکھا ہے اور میں سُنا سنو
کہتا ہوں میں فقیروں کی خدمت میں سر بہ سر
احوال میرا خوب طرح دل لگا سنو

(۱۰) ایک روز دیوان عام کیئے بیٹھا تھا اور اُمرا، ارکان دولت اپنے اپنے پائے پر کھڑے تھے، اور ہر ملک کے پادشاہوں کے ایلچی، مبارکباد کی خاطر جو آئے تھے، وے بھی سب حاضر تھے۔ اُس وقت میں نے موافق معمول کے، اُس لعل کو منگوایا۔ جواہر خانے کا داروغہ لے کر آیا۔ میں ہاتھ میں لے کر تعریف کرنے لگا اور فرنگ کے ایلچی کو دیا۔ اُن نے دیکھ کر تبسم کیا اور زمانہ سازی سے صفت کی۔ اسی طرح ہاتھوں ہاتھ ہر ایک نے لیا اور دیکھا اور ایک زبان ہو کر بولے کہ قبلہ عالم کے اقبال کے باعث یہ میسر ہوا ہے۔ والا نہ کسو بادشاہ کے ہاتھ آج تک ایسا رقم بے بہا نہیں لگا۔ اُس وقت میرے قبلہ گاہ کا وزیر، کہ مرد دانا تھا اور اُسی خدمت پر سرفراز تھا، وزارت کی چوکی پر کھڑا تھا۔ آداب بجالایا اور التماس کیا کہ کچھ عرض کہ چاہتا ہوں، اگر جان بخشی ہو۔

11.4۔عمومی جائزہ:۔

باغ و بہار اردو نثر کی ایک نہایت اہم اور مقبول داستان ہے جسے میر امن دہلوی نے نہایت سادہ اور رواں زبان میں پیش کیا۔ یہ دراصل فارسی داستان قصہ چہار درویش کا اردو روپ ہے۔ میر امن نے اس داستان کو اس انداز میں بیان کیا کہ یہ نہ صرف دلچسپ اور دلکش بن گئی بلکہ اردو نثر کی ایک معیاری مثال بھی بن گئی۔ اسی وجہ سے باغ و بہار کو اردو ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ اس داستان کا بنیادی وصف اس کا دل چسپ بیانیہ انداز ہے۔ میر امن نے قصے کو اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی شروع سے آخر تک قائم رہتی ہے۔ داستان میں مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے زندگی کے کئی پہلو سامنے آتے ہیں۔ بادشاہ، درویش اور دیگر کرداروں کے حالات و واقعات ایک مربوط انداز میں بیان کیے گئے ہیں جس سے کہانی میں تسلسل اور کشش پیدا ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ داستان میں حیرت، تجسس اور دلچسپی کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں جو قاری کو اپنی طرف متوجہ رکھتے ہیں۔ باغ و بہار کی ایک نمایاں خصوصیت اس کی زبان اور اسلوب ہے۔ میر امن نے اس داستان میں سادہ، عام فہم اور روزمرہ کی زبان استعمال کی ہے۔ دہلی کی بول چال، محاورات اور روزمرہ الفاظ کا خوب صورت استعمال اس کی زبان کو دلکش اور رواں بناتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باغ و بہار کو اردو نثر کی ایک بہترین مثال سمجھا جاتا ہے۔ اس میں اگرچہ فارسی اور عربی الفاظ بھی ملتے ہیں، لیکن مجموعی طور پر زبان ایسی ہے جو پڑھنے والے کے لیے آسان اور دل چسپ محسوس ہوتی ہے۔

اس داستان میں اس زمانے کی تہذیب، معاشرت اور طرزِ زندگی کی جھلک بھی نمایاں طور پر ملتی ہے۔ مختلف کرداروں اور واقعات کے ذریعے اس دور کے رسم و رواج، معاشرتی رویوں اور زندگی کے انداز کو پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح باغ و بہار صرف ایک داستان ہی نہیں بلکہ اپنے عہد کی معاشرتی زندگی کی عکاسی بھی کرتی ہے۔ متن کے طور پر باغ و بہار طلبہ کے لیے بھی خاص اہمیت رکھتی ہے۔ اس کے مطالعے سے طلبہ کو اردو نثر کے سادہ اور دلکش انداز سے واقفیت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ داستانی اسلوب، کرداروں کی پیش کش اور محاوراتی زبان کے استعمال کو بھی بہتر طور پر سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لیے باغ و بہار کو اردو ادب کی ایک اہم اور معیاری تصنیف کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ باغ و بہار اپنی دلچسپ داستان، سادہ زبان، دلکش اسلوب اور معاشرتی عکاسی کی وجہ سے اردو ادب میں ایک نمایاں مقام رکھتی ہے۔ یہی خصوصیات اسے اردو نثر کی ایک اہم اور یادگار داستان بناتی ہیں۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔ اب جبکہ آپ نے سب رس کے متن کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔ اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 8 . 1 1 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

ا۔ جب دوسرا درویش بھی اپنی سیر کا۔۔۔۔ کہہ چکا، رات آخر ہوگئی۔

۲۔ اور وقت صبح کا شروع ہونے پر آیا۔ پادشاہ۔۔۔۔۔ بخت چپکا اپنے دولت خانے کی طرف پر۔ روانہ ہوا محل میں پہنچ کر نماز ادا کی۔

۳۔ پھر غسل خانے میں جا خلعت فاخرہ پہن کر دیوان عام میں۔۔۔۔ پر نکل بیٹھا اور حکم دیا کہ یساول جاوے، چار فقیر فلانے مکان پر وارد ہیں، اُن کو بہ عزت اپنے ساتھ حضور میں لے آوے۔

11.5۔فرہنگ:۔

نوعیت	تنوع، مختلف قسمیں ہونا،
بہم پہنچانا	حاصل ہونا، میسر آنا
سپاہ سالار	فوج کا سربراہ
مدعو کرنا	دعوت دینا، بلانا
سیاہ وسپید	بھلائی برائی، رات دن
سود وزیاں	نفع نقصان
تفریق	امتیاز، فرق
اعتدال	درمیانی رویہ، کمی نہ زیادتی

اتصال	سنگم، نزدیکی
اعلان نامہ	خبرنامہ
روسیاہ	خطا کار، گنہگار
تغیرات	بدلاؤ، تبدیلی
آمریت	کمیت، حکمرانی
بدرجہ اتم	انتہائی، تمام تر
تمکنت	شان وشوکت
منتشر	بکھرنے والا
آسودہ	مطمئن، خوش
پروردہ	پالا ہوا، ماحول یا معاشرے کا ترتیب یافتہ
مسترد	واپس شدہ، نامنظور

11.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

درج ذیل اقتباس کی تشریح کیجیے اوراس میں استعمال ہونے والی زبان اور اندازِ بیان کو واضح کیجیے؟

باغ و بہار کے متن کی روشنی میں اس کے اسلوبِ بیان اور زبان کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

باغ و بہار کے متن میں پیش کیے گئے واقعات اور کرداروں کا تفصیلی جائزہ لیجیے؟

باغ و بہار کے منتخب اقتباسات کی مدد سے اس کی ادبی خصوصیات بیان کیجیے؟

باغ و بہار کے متن کی روشنی میں اس داستان کی اہمیت اور مقبولیت پر تفصیل سے بحث کیجیے؟

11.7۔مشقی سوالات:۔

ا۔باغ و بہار کے مصنف کون ہیں؟

۲۔ باغ و بہار کس داستان کا اردو روپ ہے؟

۳۔ باغ و بہار کی زبان کی اہم خصوصیت کیا ہے؟

۴۔ باغ و بہار کے متن میں کس چیز کی عکاسی ملتی ہے؟

11.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

ا۔ باغ و بہار کے مصنف میر امن دہلوی ہیں جنہوں نے اسے سادہ اور رواں اردو نثر میں لکھا۔

۲۔ باغ و بہار فارسی داستان قصہ چہار درویش کا اردو روپ ہے جسے میر امن نے اردو میں پیش کیا۔

۳۔ باغ و بہار کی زبان سادہ، عام فہم اور محاوراتی ہے جس میں دہلی کی بول چال کی جھلک ملتی ہے۔

۴۔ باغ و بہار کے متن میں اس دور کی تہذیب، معاشرت اور طرزِ زندگی کی عکاسی ملتی ہے۔

جوابات:۔(ا۔قصہ،۲۔آزاد،۳۔تخت)

11.9۔ امدادی کتب:۔

ا۔ باغ و بہار از میر امن دہلوی	مرتبہ: رشید حسن خان
۲۔ اردو ادب کی مختصر تاریخ	انور سدید
۳۔ باغ و بہار: ایک تجزیہ	ڈاکٹر وحید قریشی
۴۔ باغ و بہار کا تنقیدی مطالعہ	امام مرتضی نقوی
۵۔ باغ و بہار تنقید کے آئینے میں	سلیم اختر

سبق نمبر:۱۲:۔ باغ و بہار کا تنقیدی جائزہ

ساخت:۔

12.0 اغراض ومقاصد
12.1 تعارف
12.2 میرامن بحیثیت داستان نگار
12.3 باغ و بہار کی داستانی خصوصیت
12.4 عمومی جائزہ
12.5 فرہنگ
12.6 نمونہ امتحانی سوالات
12.7 مشقی سوالات
12.8 مشقی سوالات کے جوابات
12.9 امدادی کتب

12.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

باغ و بہار کی ادبی اہمیت اور اس کے تنقیدی مطالعہ کو سمجھ سکیں گے۔

باغ و بہار کی زبان و بیان کی سادگی اور روانی سے واقف ہوں گے۔

باغ و بہار کے کرداروں اور اس میں پیش کی گئی معاشرتی زندگی کے بارے میں جان سکیں گے۔

باغ و بہار کی مقبولیت کے اسباب اور اردو نثر میں اس کے مقام کو سمجھ سکیں گے۔

باغ و بہار میں محاورات، تشبیہات اور دلکش اندازِ بیان کی خصوصیات کو پہچان سکیں گے۔

12.1۔تعارف:۔

داستان کا مرکزی کردار ایک مثالی انسان ہوتا ہے؟ جو بہادری میں یکتا، ہمت میں منفرد، حسین و جمیل، تندرست و توانا، عاشق مزاج۔ اس کا کردار وقت کے ساتھ ارتقا پذیر نہیں ہوتا بلکہ کم عمری میں ہی اس کی تمام صلاحیتیں ابھر کر سامنے آجاتی ہیں اور ساری زندگی بغیر کسی ضعف کے اس کا ساتھ دیتی ہیں۔ ہیرو کے لیے بادشاہ کا بیٹا ہونا یا کم از کم طبقہ بالا کا فرد ہونا بھی لازمی ہے۔ جس سے فوج، جنگ و جدال، آداب شاہی، دعوت، جشن وغیرہ کے بیان کی گنجایش نکل آتی ہے اور سامعین کی دل چسپی بھی بڑھ جاتی ہے۔ قصے کو طول دینے کے لیے درمیان میں ہی ضمنی کہانیاں شروع کردی جاتی ہیں۔ جس سے مضمون میں تکرار بیان کی گنجائش ممکن ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باغ و بہار میں کئی مقامات پر تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک جیسے واقعات و حالات بھی نظر آتے ہیں۔ کسی خیال کو بار بار نئے ڈھنگ سے اس طرح باندھنا کہ سننے والا ہر بار محفوظ ہو، اسی وقت ممکن ہے جب داستان گو بے پایاں تخلیقی صلاحیتوں کا مالک ہو۔ اسے زبان و بیان پر دسترس ہو مضمون دل کش اور انداز بیان پر کشش ہو۔ میرامن نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ بیان اور واقعے میں کوئی الجھاؤ نہ ہو اور جہاں تک ممکن ہو داستان سامع کے لیے گراں بار نہ ہو۔

باغ و بہار کا لسانی سطح پر مطالعہ کرتے ہوئے اندازہ ہوتا ہے کہ میرامن نے باغ و بہار کی زبان کو کتنے قریب اور باریک بینی سے پرکھا اور برتا ہے۔ وہ اس تہذیبی زبان کے لیے اور طرز تکلم کے نشیب و فراز کو ایسے ہی برتتے ہیں جیسے ان کے گھر کی زبان ہو۔ میرامن خود باغ و بہار کی زبان کو اپنی مادری زبان اور ناقدین ٹھیٹھ ہندوستانی سے تعبیر کرتے ہیں۔ منظر کشی پر غور کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ جزئیات نگاری پر انھیں عبور حاصل ہے۔ وہ کرداروں کے حرکات و سکنات کو پورے جزئیات کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان کے عادات و اخلاق سامنے پھر جاتے ہیں۔

12.2۔میر امن بحیثیت داستان نگار:۔

اردو ادب کی داستانوں میں اگر کسی داستان کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی تو وہ میر امن کی باغ و بہار ہے۔ یہ داستان خواص و عام میں تقریباً دوسو سال سے بھی زیادہ عرصے سے بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھی اور سنی جاتی ہے۔ یہ داستان فارسی کے ایک بے حد مقبول قصے چہار درویش کا ترجمہ ہے۔ اردو میں پہلے پہل میر عطا حسین تحسین نے اسکو نوطرز مرصع کے نام سے لکھا۔لیکن بعد میں میر امن نے اس کو ۱۸۰۲ء میں ''باغ و بہار'' کے نام سے پیش کیا۔ یہ داستان فورٹ ولیم کالج کی دین ہے اور یہ اس کالج کی سب سے مشہور تصنیف ہے۔ جان گلکرسٹ کی فرمائش پر میر امن نے اسکو بہت ہی سادہ سلیس اور آسان اردو زبان میں لکھا۔اس کو لکھنے کے پیچھے ایک وجہ یہ کارفرماتھی کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدیداران جو فورٹ ولیم کالج کے طلبہ تھے۔ یہاں کی عام بول چال کی زبان سے روشناس ہو جائیں۔اس مقصد کے حصول کیلئے داستانیں زیادہ مفید ہوسکتی تھیں کیونکہ ہندوستانی معاشرتی زندگی کے مختلف چیزوں کے بارے میں اس میں کافی جانکاری تھی۔اسلئے میر امن سے باغ و بہار لکھوائی گئی۔نوطرز مرصع پر اعتراض یہ نہ تھا کہ اس کی زبان مرصع ہے بلکہ اعتراض تو یہ تھا کہ اس میں عربی اور فارسی کے فقروں اور محاوروں کی بہتات ہے۔میر امن سے فرمائش کی گئی اور انہوں نے عربی فارسی عنصر کو کم کیا اور مسجع ومقفی عبارت کو گھٹا کر داستان کو عام بول چال کے مطابق کر دیا۔انہوں نے نوطرز مرصع کو سادہ زبان میں منتقل کرنے کے کام کو ترجمہ کرنے کے بجائے تخلیقی سطح پر قبول کیا اور نوطرز مرصع میں بیان کئے گئے واقعات کو اپنے انداز میں پیش کرنے کے بجائے اپنا پورا فن صرف کر دیا۔جس سے باغ و بہار ترجمے کے دائرے سے نکل کر میر امن کی تخلیقی صلاحیتوں کا مظہر بن گئی۔اور اس کتاب کے سادہ وشگفتہ اور زندگی سے بھر پور اسلوب نے ادب کے دھاروں کا رخ موڑ دیا۔

12.3۔باغ و بہار کی داستانی خصوصیت:۔

باغ و بہار میں جو قصے بیان کئے گئے ہیں وہ عشق کے دائرے میں آتے ہیں۔اس میں جو داستان زندگی بیان کی گئی ہے وہ مغلیہ عہد کی عکاسی کرتی ہے۔اس میں جتنے واقعات بیان کئے گئے ہیں یا کرداروں کے ذریعہ جو بات کہلوائی گئی ہے اس میں دہلوی تہذیب وتمدن اور معاشرت کی گہری چھاپ ہے۔دہلی پر محمد شاہ کے وقت میں نادر شاہ کا حملہ اور اس سے پیدا ہونے والے واقعات،حالات،تاثرات اور نفسیات کو اس داستان میں بیان کیا گیا ہے۔کیونکہ اس وقت مغلیہ سلطنت کا شیرازہ بکھر رہا تھا اور ہر طرف افراتفری کا عالم تھا۔ذہنوں پر مایوسی کا غلبہ چھایا

ہوا تھا۔اس داستان میں جن شہزادوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ بھی مایوسی اور ناامیدی کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔انھیں اپنی عقل، ہمت اور قوت پر بھروسہ نہیں اور ہر وقت غیبی امداد کی امید لگائے رہتے ہیں۔اس داستان میں اس وقت کی عورتوں کا چھپ چھپ کر ملنے،عشق لڑانے اور رنگ رلیاں منانے کا ذکر جگہ جگہ ملتا ہے۔اس داستان کے سبھی کردار ایک ہی رنگ (عشق) میں رنگے ہوئے ہیں اور مغل تہذیب وتمدن کی اخلاقی اور روحانی قدروں کے شائق ہیں۔ان سبھی میں ایک جیسی صفت یہ ہے کہ سب زندگی کی کشمکش سے بھاگے ہوئے اور مثبت قدروں کے بجائے منفی قدروں پر یقین رکھتے ہیں۔اسی لئے عمل اور حرکت سے پوری طرح محروم ہیں۔ جہاں عمل کا موقع آتا ہے یہ بے بس ہو کر رہ جاتے ہیں۔ایسے میں کوئی اتفاقی واقعہ،حادثہ یا کوئی برگزیدہ ہستی ان کی مدد کو آتی ہے اور بدی پر نیکی کی جیت ہوتی ہے۔

باغ و بہار کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا انداز بیان سب داستانوں سے زیادہ دلکش اور دلنشیں ہے۔اپنی اسی خصوصیت کی وجہ سے صدیوں سے زندہ جاوید ہے اور اس کا شمار اردو کی ان کلاسیکی کتابوں میں ہوتا ہے جن سے اردو زبان کو وسیلہ اظہار بننے میں مدد ملی۔ باغ و بہار کی جو خوبی ہمیں سب سے زیادہ اپنی طرف متوجہ کرتی ہے وہ اس کا لہجہ،سادگی وسلاست ہے۔کیونکہ میرامن نے اس کو عام بول چال کی زبان میں لکھا ہے جو دلی کے گلی کوچوں میں ہر خاص وعام کے ذریعہ بولی جاتی تھی۔دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت کی نثر میں فارسیت کا غلبہ تھا۔مقفیٰ و مسجع عبارت کا چلن عام تھا اور ادبی حلقوں میں یہی پسند کی جاتی تھی۔صنائع بدائع اور تشبیہات واستعارات پر لوگ جان چھڑکتے تھے۔میرامن نے روایت سے بغاوت کر کے ایسے لب ولہجہ میں اپنی بات کہی جو مخصوص طبقے کے بجائے سب کے لیے قابل قبول ہو۔میراامن نے اس زبان میں باغ و بہار لکھ کر سادگی،صفائی اور سہل نگاری کا راستہ دکھایا۔اردو نثر کو لفاظی،عبارت آرائی،قافیہ اور وزن کی پابندی سے نجات دلانے کی طرف یہ پہلا انقلابی قدم تھا۔باغ و بہار کی نثر میں جو سادگی ہے اس میں غضب کی دلکشی ہے اور ساتھ ہی بے تکلفی بھی ہے۔اس میں جو سادگی ہے اس میں کہیں بھی رکھاپن کا احساس نہیں ہوتا ہے بلکہ سادگی میں پر کشش حسن پیش کرتا ہے۔الفاظ کے باہمی ترتیب اور انکے انتخاب نے ان کی تحریروں میں نغمے کی سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔جس کی وجہ سے باغ و بہار آج تک مشہور ومعروف ہے۔ان کے قصے کی خاص بات یہ ہے کہ ازاول تا آخر تجسس قائم رہتا ہے قاری جب تک پوری داستان کو ختم نہیں کر لیتا اسے قرار نہیں ملتا۔

باغ و بہار میں کوئی پلاٹ نہیں۔صرف چار درویش کے الگ الگ قصے ہیں اور اس کا پلاٹ غیر منظّم ہے۔ ہر درویش کی کہانی الگ الگ چلتی ہے اور آخر میں میرامن نے ان درویشوں اور آزاد بخت کے قصے کو اس طرح باہم ربط دے دیا ہے کہ اس میں پلاٹ کی موجودگی نظر آتی ہے۔باغ و بہار کے تمام کردار ایک جیسے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں مگر تمام کردار مثالی ہیں۔ان کرداروں کے ذریعہ انہوں نے اس عہد کے سماجی،

معاشی، معاشرتی، نفسیاتی اور جنسی حالات سے روبرو کرایا ہے۔ مرد کرداروں کے مقابلے نسوانی کردار زیادہ طاقتور نظر آتے ہیں۔ میر امن کے کردار سماج کے جس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں وہ ویسی ہی زبان استعمال کرتے ہیں۔ اگر کوئی اونچے طبقے کی نمائندگی کرتا ہے تو وہ بہت ہی ادبی، معیاری اور عالمانہ زبان استعمال کرتا ہے۔ جبکہ کٹنی اور سماج کے نچلے طبقے کے دوسرے لوگ ٹوٹی پھوٹی زبان میں بات کرتے ہیں۔ مگر میر امن اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہیں۔

میر امن کو زبان پر قدرت حاصل ہے۔ اور ہر کیفیت اور واردات کا نقشہ انہوں نے ایسی خوبی سے کھینچا ہے کہ ان کی انشا پردازی کے کمال کی داد دینی پڑتی ہے۔ زبان کے معاملہ میں انہوں نے نہ تو بیجا طول دیا ہے اور نہ ہی لفاظی کی ہے۔ میر امن نے باغ و بہار میں مسجع و مقفیٰ عبارت کا استعمال بخوبی کیا ہے۔ ان کی نثر کا عام لہجہ بیانیہ اور مکالماتی ہے۔ میر امن مسجع کاری کو صرف ان مقامات پر برتتے ہیں جہاں وہ نثر کی روانی میں ایک خوشگوار جوش یا ولولہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ میر امن زبان اور لہجے سے داستان کو ایک نئی آب و تاب عطا کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ باغ و بہار میں بہت سی خوبیوں کے ساتھ کچھ خامیاں بھی ہیں۔

محاوروں تشبیہات و استعارات کا استعمال باغ و بہار میں جگہ جگہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ یہاں چند مثالیں درج ہیں۔

ا۔ باغ باغ ہونا۔ سب کچھ دیا اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا وغیرہ۔

۲۔ تشبیہہ۔ پھول سا بدن سوکھ کر کانٹا ہو گیا۔

۳۔ استعارات فرزند کہ زندگانی کا پھل ہے اس کی قسمت میں باغ نہ تھا۔

۴۔ لفظوں کی تکرار۔ گھر گھر، محلے محلے، گاؤں گاؤں، شہر شہر، روتا دھوتا، پکڑ دھکڑ، پوچھتا چھ وغیرہ۔

۵۔ ہندی اور انگریزی الفاظ کا استعمال

جنم بھومی، سنگت، گیان، بیراگ وغیرہ۔

ٹیپ ٹاپ (انگریزی)

۔ جمع الجمع کا استعمال۔ امراء۔ امراؤں، سلاطین۔ سلاطینوں، رئیس۔ رئیسوں وغیرہ۔ اس طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ میر امن نے باغ و بہار میں جو انداز بیان اختیار کیا وہ صریحاً روایت سے بغاوت ہے۔ کیونکہ اس سے پہلے اردو نثر پر فارسیت کا غلبہ تھا اور لوگ مسجع و مقفیٰ اور رنگین عبارت کو پسند کرتے تھے۔ میر امن نے اس معیار کو بدلا اور جدید اردو نثر کی بنیاد ڈالی۔ اگر چہ باغ و بہار میں کچھ خامیاں ہیں چاہے

وہ پلاٹ کو لے کر یا زبان کے حوالے سے جیسے جمع الجمع اور متروک الفاظ کا استعمال۔مگران خامیوں کے باوجود اس سے باغ و بہار کی مقبولیت پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

12.4۔عمومی جائزہ:۔

اردو نثر کی داستانوں میں اگر کسی داستان کو سب سے زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی تو وہ میر امن کی ''باغ و بہار'' ہے۔یہ داستان عام اور خاص دونوں حلقوں میں بہت پسند کی گئی۔اصل میں یہ فارسی داستان ''قصہ چہار درویش'' کا اردو ترجمہ ہے۔فورٹ ولیم کالج کے زمانے میں جان گلکرسٹ کی فرمائش پر میر امن نے اسے سادہ اور عام فہم اردو میں پیش کیا،جس کی وجہ سے یہ کتاب بہت جلد مقبول ہو گئی۔''باغ و بہار'' کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس میں دہلی کی تہذیب، معاشرت اور طرزِ زندگی کی جھلک ملتی ہے۔اس داستان میں مختلف کرداروں کے ذریعے اس زمانے کے حالات، واقعات، رسم و رواج اور معاشرتی زندگی کی تصویر کشی کی گئی ہے۔اس کے کردار طرح طرح کے حالات سے گزرتے ہیں اور ان کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

اس داستان کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی زبان ہے۔میر امن نے اس میں سادہ، عام فہم اور روزمرہ کی بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔اسی وجہ سے یہ کتاب اردو نثر کی ایک معیاری اور اہم مثال سمجھی جاتی ہے۔اس میں فارسی اور عربی الفاظ بھی موجود ہیں،مگر اندازِ بیان ایسا ہے کہ زبان بوجھل محسوس نہیں ہوتی بلکہ رواں اور دلکش معلوم ہوتی ''باغ و بہار'' میں بیانیہ انداز نہایت دل چسپ ہے۔میر امن نے قصہ اس طرح بیان کیا ہے کہ قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔داستان میں تشبیہات، استعارات، محاورات اور روزمرہ الفاظ کا خوب صورت استعمال ملتا ہے، جو زبان کو دلکشی اور تاثیر بخشتا ہے۔مجموعی طور پر ''باغ و بہار'' اردو نثر کی ایک اہم اور معیاری داستان ہے۔اس میں زبان کی سادگی، بیان کی روانی، کرداروں کی پیش کش اور معاشرتی زندگی کی عکاسی ایسی خصوصیات ہیں جن کی وجہ سے یہ داستان آج بھی اردو ادب میں خاص اہمیت رکھتی ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے باغ و بہار کے تنقیدی جائزہ کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے،تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔

اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 12.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے:۔

ا۔''باغ و بہار'' کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ اس میں دہلی کی تہذیب،معاشرت اور طرزِ زندگی کی جھلک ملتی ہے۔

۲۔اس داستان میں مختلف کرداروں کے ذریعے اس زمانے کے حالات،واقعات،رسم ورواج اور معاشرتی زندگی کی تصویر کشی نہیں کی گئی ہے۔

۳۔اس کے کردار طرح طرح کے حالات سے گزرتے ہیں اوران کے ذریعے انسانی زندگی کے مختلف پہلو سامنے آتے ہیں۔

۴۔اس داستان کی سب سے بڑی خصوصیت اس کی زبان ہے۔میر امن نے اس میں سادہ، عام فہم اور روزمرہ کی بول چال کی زبان استعمال کی ہے۔اسی وجہ سے یہ کتاب اردو نثر کی ایک معیاری اور اہم مثال سمجھی جاتی ہے۔

۵۔اس میں فارسی اور عربی الفاظ بھی موجود ہیں،مگر اندازِ بیان ایسا ہے کہ زبان بوجھل محسوس ہوتی ہے۔

12.5۔فرہنگ:۔

مسجع	سجی ہوئی، با قافیہ
معاشرت	مل جل کر زندگی بسر کرنا
بیجا	نامناسب
اسلوب	طریقہ، ڈھنگ، سلیقہ
صریحاً	واضح طور پر، صاف صاف
روایت	کسی بات یا واقعے کو آگے بیان کرنا یا نقل کرنا

12.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:۱:۔باغ و بہار کے تنقیدی مطالعہ پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

سوال:۲:۔باغ و بہار کی زبان و بیان اور اس کی ادبی خصوصیات کا جائزہ لیجیے؟

سوال:۳:۔باغ و بہار میں پیش کیے گئے کرداروں اور معاشرتی زندگی کی عکاسی پر تفصیلی نوٹ لکھیے؟

سوال:۴:۔باغ و بہار کی مقبولیت کے اسباب اور اردو نثر میں اس کی اہمیت پر تفصیل سے بحث کیجیے؟

12.7۔مشقی سوالات :۔

سوال: باغ و بہار کے مصنف کون ہیں؟

____

____

____

____

____

____

سوال: باغ و بہار کس داستان کا اردو ترجمہ ہے؟

____

____

____

____

____

سوال: باغ و بہار کی زبان کی سب سے بڑی خصوصیت کیا ہے؟

سوال: باغ و بہار میں کس چیز کی جھلک ملتی ہے؟

12.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: باغ و بہار کے مصنف میر امن دہلوی ہیں۔ انہوں نے اسے سادہ اور عام فہم اردو زبان میں لکھا۔

جواب: باغ و بہار فارسی داستان قصہ چہار درویش کا اردو ترجمہ ہے۔ اسے میر امن نے اردو نثر میں پیش کیا۔

جواب: باغ و بہار کی زبان سادہ، رواں اور عام فہم ہے۔ اس میں دہلی کی بول چال اور محاورات کا خوبصورت استعمال ملتا ہے۔

جواب: باغ و بہار میں دہلی کی تہذیب، معاشرت اور اس زمانے کی روزمرہ زندگی کی جھلک ملتی ہے۔

جوابات:۔(ا۔صحیح،۲۔غلط،۳۔صحیح،۴۔غلط)

12.9۔امدادی کتب:۔

ا۔باغ و بہار	مرتبہ: رشید حسن خان
۲۔فن داستان گوئی	کلیم الدین احمد
۳۔اردو کی نثری داستانیں	گیان چند جین
۴۔ہماری داستانیں	وقار عظیم
۵۔داستان سے ناول تک	ڈاکٹر ابن کنول

سبق نمبر:۱۳:۔رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار

ساخت:۔

13.0 اغراض ومقاصد
13.1 تعارف
13.2 رجب علی بیگ سرور سوانحی کوائف
13.3 رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار
13.4 عمومی جائزہ
13.5 فرہنگ
13.6 نمونہ امتحانی سوالات
13.7 مشقی سوالات
13.8 مشقی سوالات کے جوابات
13.9 امدادی کتب

13.0۔اغراض ومقاصد:

اس سبق میں آپ:۔

رجب علی بیگ سرور کی شخصیت اوران کی ادبی حیثیت کو جان سکیں گے۔

سرور کی داستان نگاری کی اہم خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔

سرور کی مشہور داستان فسانہ عجائب کی اہمیت سے آگاہ ہوسکیں گے۔

داستان میں پیش کیے گئے کرداروں اور واقعات کی دلکشی کو پہچان سکیں گے۔

سرور کی زبان و بیان کی خوبیوں کو سمجھ سکیں گے۔

داستان میں موجود انسانی جذبات اور معاشرتی پہلوؤں کو جان سکیں گے۔

اردو داستان نگاری میں سرور کے مقام اور اہمیت کو واضح کر سکیں گے۔

13.1۔تعارف:۔

رجب علی بیگ سرور، دبستان لکھنو کے ایک ممتاز انشا پرواز اور نمائندہ ادیب ہیں۔فسانہ عجائب، ان کی ایک شاہ کار طبع زاد داستان ہے۔ فسانہ عجائب صرف تفریح وتفنن کا ذریعہ نہیں بلکہ تہذیبی واسلوبیاتی فنکاری کا ایک ایسا نگار خانہ ہے جس میں لکھنوی تہذیب کی رنگارنگی اور زبان و بیان کی بوقلمونی بدرجہ اتم موجود ہیں۔فسانہ عجائب لکھنو کے تئیں سرور کی محبت، جذباتی وابستگی اور لکھنو کے ہجر وفراق کا بین اظہار ہے۔سرور کو لکھنو سے والہانہ محبت تھی۔وہ دربار اودھ سے وابستہ رہے۔لکھنو کے کوچہ و بازار کی خاک چھانی۔شہ لکھنو سے مفارقت کی ایذائیں بھی برداشت کیں۔ لہذا فسانہ عجائب کے ہر ایک حرف سے سرور کے عشق لکھنو، کرب واضطراب اور گلہائے عقیدت کا اظہار ہوتا ہے۔انسانی تفریحات میں داستانوں کی مقبولیت عرصہ قدیم سے رہی ہے۔قصوں کو سننا اور سنانا، انسان کا جبلی فعل رہا ہے۔دراصل داستانیں ذہنی آسودگی اور تفریحات کا اہم ذریعہ ہوتی ہیں۔فسانہ عجائب کی اہمیت اس لیے بھی ہے کہ وہ مذکورہ بالا تمام اوصاف سے آراستہ ہے۔فسانہ عجائب میں تصوراتی وخیالی دنیا ہونے کے باوجود عصری حسیت، معاشرتی نشیب وفراز اور معاصر تاریخ وتہذیب کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔دراصل فسانہ عجائب، قوت بیان، طرز اظہار اور دلچسپ حکایات کا شاہکار ہے۔

13.2۔رجب علی بیگ سرور سوانحی کوائف:۔

رجب علی بیگ سرور، سلطنت اودھ کے پایہ تخت لکھنو میں تقریباً 1200ھ (86-1785ء) میں پیدا ہوئے۔اس کی شہادت فسانہ عجائب کے دیباچے سے منقول ہے جس میں انھوں نے لکھا ہے کہ ''چالیس سال جہان کی دیکھ بھال کی''۔سرور کی پیدائش کے متعلق اس کے علاوہ کوئی اور حوالہ دستیاب نہیں ہے۔لہذا تمام محققین کو مذکورہ سن پیدائش پر اتفاق رائے ہے۔سرور کا انتقال 1286ھ (1869ء) میں ہوا تھا۔بقول

نیر مسعود، سرور کی وفات 14 اپریل اور 14 مئی، 1869ء کے درمیان کسی تاریخ میں ہوئی ہوگی۔ سرور نے شہر لکھنو کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ اسے دل کھول کر دیا بھی تھا۔ دراصل سرور لکھنو کی سیر وتفریح کوچہ و بازار، خوردونوش، آداب و اطوار، رہن سہن، صنعت وحرفت، شاہان اودھ کی شان وشوکت، جاہ وجلال، سخاوت، شعراپروری، ادب نوازی اور سیاسی نشیب وفراز کے چشم دید تھے۔

رجب علی بیگ سرور نے اپنی ادبی زندگی کی ابتدا شاعری سے کی۔ وہ آغا نوازش حسین خاں نوازش، عرف مرزا خانی لکھنوی کے شاگرد عزیز تھے۔ سرور نے فسانہ عجائب میں جس قدر اشعار کا استعمال کیا ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انھوں نے اردو و فارسی شعرا کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے فسانہ عجائب میں جن شعرا کے اشعار نقل کیے ہیں ان میں انشاء، مصحفی، سودا، جامی، مرزا قتیل شیفتہ بقا وغیرہ کے نام اہم ہیں۔ فسانہ عجائب میں مؤلف کے نام سے سرور کے متعدد اشعار درج کیے گئے ہیں۔ سرور نے اپنی بات میں اثر پیدا کرنے کے لیے متعدد نظمیں، غزلیں اور مفرد اشعار پیش کیے ہیں جن سے زبان و بیان میں ایک منفرد حسن اور تازگی پیدا ہوگئی ہے۔ سرور کو جب شاعری کے میدان میں زیادہ مقبولیت نہیں ملی تو انھوں نے داستان نگاری کی طرف رجوع کیا۔

سرور کو بحیثیت داستان نگار بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ شاہان اودھ میں داستان نگاری و داستان گوئی کو ایک فن شریف کی حیثیت حاصل تھی۔ لہذا سرور نے نہ صرف داستانیں لکھیں یا رنگین اردو نثر میں داستانوں کا ترجمہ کیا بلکہ وہ داستان گوئی میں بھی تصرف رکھتے تھے۔ اس امر کی شہادت ''فسانہ عجائب'' کے دیباچے میں درج ہے۔ فسانہ عجائب میں بیان کردہ قصوں سے یہ علم ہوتا ہے کہ انھیں قدیم داستانوں میں گہری دلچسپی تھی۔ سرور کی مقبولیت اگرچہ فسانہ عجائب سے ہے لیکن ان کی تین داستانیں: شگوفہ محبت (ترجمہ)، شبستان سرور (ترجمہ) اور شرر عشق بھی ہیں۔ سرور کی حیثیت ایک مکتوب نگار کی بھی ہے۔ عہد سرور میں رسمی خطوط نگاری کا چلن تھا جس میں رنگین بیانی، مبالغہ آمیز آداب والقاب سے کام لیا جاتا تھا۔ سرور نے بھی اپنے مکتوبات کو تخلیقی نثر اور بلیغ طرز بیان سے آراستہ کیا تھا۔ انھوں نے ذاتی خطوط کے علاوہ خطوط نگاری کو ذریعہ معاش بھی بنایا تھا۔ واجد علی شاہ کی بیگمات جو کلکتہ نہیں جاسکیں، نواب اور ان کے درمیان خط و کتابت ہوتی تھی۔

13.3۔ رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار:۔

داستان گوئی کا رواج انسانی تاریخ کے ارتقا کے ساتھ ہی شروع ہوتا ہے۔ جس میں محیر العقول واقعات مافوق فطری عناصر کے ساتھ ساتھ جمالیاتی حظ کی تسکین کا سامان بھی مہیا کیا جاتا ہے۔ اسی وجہ سے نہ صرف اسے محبت بھری نظروں سے دیکھا گیا، بلکہ انسانی ذہنی نشو ونما میں بھی اس کا اہم رول رہا ہے۔ داستان نے بہ حیثیت ایک صنف سخن اردو کو اس طرح مالا مال کیا۔ کہ خود ایک تعبیر بن گئی۔ اور اس میں ادباء وشعرا نے

بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ انھیں داستان گوؤں میں سے ایک مشہور نام رجب علی بیگ سرور کا ہے جنھوں نے فسانہ عجائب تصنیف کر کے نہ صرف ایک داستان گو کہلانے کا حق حاصل کیا، بلکہ اردو زبان و بیان کو بھی مالا مال کیا۔

سرور 87-1786ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے لکھنو ہی میں رائج الوقت تعلیم میں کمال حاصل کیا، خصوصاً فارسی میں اچھی واقفیت حاصل کی، مگر عربی سے کم، سرور کو شاعری سے بھی خاصی دل چسپی تھی، جس کی وجہ سے انھیں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، مگر کامیابی نثر میں ''فسانہ عجائب'' کی بدولت ملی، دستور کے مطابق علوم کے ساتھ ساتھ فنون میں بھی مہارت پیدا کی۔ جس کی وجہ سے خوشنویسی اور موسیقی میں لگاؤ زیادہ ہو گیا۔ سرور کے معاشرے میں فن داستان گوئی کو بڑا عروج حاصل تھا۔ اسی لیے بطور خاص داستانی ادب سے ان کا شغف تھا، جس کا نتیجہ ''فسانہ عجائب'' کی شکل میں ہمارے سامنے نمودار ہے۔ جس کی ایک ہمہ گیر اہمیت ہے۔ سرور کی شادی کسی مالدار گھرانے میں ہونے کی وجہ سے عیش و عشرت میں زندگی کٹتی رہی۔ 1863ء میں سرور کلکتہ آنکھوں کی علاج کے لئے تشریف لے گئے، وہاں سے واپسی پر 1867ء میں بنارس میں انتقال کیا۔ سرور نے اردو نثر میں خصوصاً متعدد تصانیف چھوڑی ہیں، جس میں ''فسانہ عجائب'' کے علاوہ سرور سلطانی، گلزار سرور، انشاء سرور، شگوفہ محبت شرر عشق، شبستان سرور وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

سرور بحیثیت ایک داستان گو کافی شہرت کے مالک ہیں کیونکہ انھوں نے تمام داستانوی عناصر کو چھیڑا ہے۔ اور اسے اپنے قالب میں ڈھال کر پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ سرور نے اپنی داستان ''فسانہ عجائب'' میں ایک داستان گو کی طرح ایک مرکزی قصہ رکھا ہے، کردار شاہزادہ جان عالم کے گرد سارا واقعہ گھومتا ہے۔ ''فسانہ عجائب''، جس ماحول میں لکھی گئی، وہاں بزمیہ ماحول ہی باقی تھا، اس کے باوجود سرور نے ایک ایسی جنگ کی منظر کشی کی ہے، جو مغلوں کے عہد عروج کی جنگ معلوم ہوتی ہے۔ اور نسوانی خصوصیات رکھنے والا جان عالم بھی اس زمانے کا شاہزادہ لگنے لگتا ہے۔ سرور کے یہاں پلاٹ میں اتنا الجھاؤ اور پیچیدگی نہیں، جتنا دوسری داستانوں میں ہے لیکن پھر بھی کہیں کہیں اسے برتنے میں کامیاب بھی ہوتے ہیں۔ سرور نے بحیثیت داستان گو ''فسانہ عجائب کو طول دیا ہے، جو ایک داستان کا بنیادی عنصر ہے۔ جس میں چند ہی ضمنی قصے آئے ہیں۔ مافوق فطری عناصر کا استعمال بھی کم ہے۔ لیکن ایسا بھی نہیں، کہ بالکل مفقود ہے۔

کردار نگاری کے سلسلے میں خاص بات یہ ہے کہ سرور کے یہاں کردار بہت کم ہیں۔ دوسری بات یہ کہ کچھ ہی کردار جیسے جان عالم، مہر نگار اور انجمن آرا وغیرہ ہی زیادہ متحرک ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں، کہ اس کے علاوہ کے کردار جامد ہیں، کرداروں کے خصائص کے حساب سے ہی کرداروں کی مرقع کشی کی ہے جو ایک جیتے جاگتے کردار کی علامت نظر آتے ہیں۔ سماج کے جس طبقے سے وہ کردار تعلق رکھتا ہے اسی اعتبار سے

زبان وبیان کا استعمال ہے لیکن اس میں وہ نزاکت نہیں جو دوسری داستانوں کی خصوصیات ہیں۔

سرور کے یہاں داستان کے حوالے سے معاشرت کی مرقع کشی کا بہترین نمونہ دکھائی دیتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ پوری تہذیبی تاریخ ہی ہے۔جو معاشرت کی شکل نمودار ہوئی ہو۔معاشرت میں رہن سہن، شادی بیاہ، کھان پان، تفریح وغیرہ کا بیان جس طرح کیا ہے۔یہ انھیں کا حصہ معلوم ہوتا ہے۔گویا پوری سلطنت اودھ کی تصویر ہی بنا ڈالی ہے۔یہ اسی وجہ سے ہوا، کیونکہ ان کے اندر وہ تجربات ومشاہدات کا بحر ذخار تھا، جس نے اس کام پر آمادہ کیا۔داستان کا ایک اہم عنصر عشق ہے، سرور نے بھی عشقیہ داستان لکھی ہے جس میں جان عالم کی شادی کا بھی بڑی تفصیل میں ذکر کیا، جو ایک اچھے داستان گو کی علامت ہے۔

مجموعی طور پر زبان وبیان کے حوالے سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سرور نے یہ کتاب باغ وبہار کے اسلوب کی ضد میں لکھی ہے کیونکہ باغ وبہار کا اسلوب سادہ اور سلیس تھا اور عوام کی زبان کو میر امن نے نہایت خوبصورتی سے ادبیت کے سانچے میں ڈھال کر پیش کیا تھا مگر سرور کو یہ اسلوب پسند نہ آیا اور اسے ناگوار گزرا چنانچہ انھوں نے ''فسانہ عجائب'' میں قصداً ایسی زبان کا استعمال کیا جس میں پُر شکوہ الفاظ اور تصنع وتکلف اور مسجع ومرصع عبارت آرائی کا زور ملتا ہے۔مگر سرور کا یہ زور پوری داستان میں قائم نہیں رہ پاتا، جیسے جیسے آگے بڑھتی ہے زبان کی ثقالت اور الفاظ کی چمک دمک کم ہوتی جاتی ہے۔اس لیے بعض ناقدوں نے سرور کی زبان کو بناوٹی زبان کہا ہے اور یہ اسلوب کی ایک خامی تصور کی جاتی ہے۔مجموعی اعتبار سے سرور ایک کامیاب داستان گو ہیں اور ایک پُر شکوہ اسلوب اور وقار وتمکنت سے پُر لہجے کے خالق بھی ہیں، چند خامیوں کے باوجود ان کی تصنیف کو شاہکار کا درجہ حاصل ہے۔

13.4۔عمومی جائزہ:۔

رجب علی بیگ سرور اردو داستان نگاری کے اہم اور نمایاں ادیب ہیں۔انہوں نے داستان کو ایک باقاعدہ ادبی صنف کی حیثیت دینے میں اہم کردار ادا کیا۔سرور کی داستان ''فسانہ عجائب'' اردو ادب میں اپنی انفرادیت اور مقبولیت کے باعث خاص مقام رکھتی ہے۔اس داستان میں واقعات کی رنگینی، کرداروں کی دلکشی اور قصے کی دل چسپی قاری کو ابتدا سے آخر تک متوجہ رکھتی ہے۔سرور کی داستان نگاری کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ انہوں نے داستان کو محض خیالی قصہ نہیں رہنے دیا بلکہ اس میں انسانی جذبات، معاشرتی زندگی اور اخلاقی اقدار کو بھی پیش کیا۔ان کی داستان میں کرداروں کی نفسیات، انسانی فطرت اور معاشرتی رویّوں کی جھلک واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔اسی وجہ سے ان کی داستانیں صرف تفریح ہی فراہم نہیں کرتیں بلکہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بھی نمایاں کرتی ہیں۔زبان وبیان کے لحاظ سے بھی سرور کو بڑی مہارت حاصل

تھی۔انہوں نے اپنی داستان میں شگفتہ، پرکشش اور ادبی زبان استعمال کی ہے جس میں محاورات اور روزمرہ کی چاشنی موجود ہے۔ان کی زبان میں فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ سادگی اور روانی بھی پائی جاتی ہے جس کے باعث ان کی تحریر دلکش اور پراثر بن جاتی ہے۔

مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ رجب علی بیگ سرور اردو داستان نگاری کی روایت کے ایک اہم ستون ہیں۔ان کی داستان نگاری میں قصے کی دلکشی، کرداروں کی جاذبیت اور زبان و بیان کی خوبصورتی یکجا ہو کر ایسی ادبی فضا پیدا کرتی ہے جس نے انہیں اردو ادب میں ایک ممتاز داستان نگار کی حیثیت عطا کی۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے رجب علی بیگ سرور بحیثیت داستان نگار کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 13.8 حصہ سے رجوع کریں۔

صحیح اور غلط کی نشاندہی کیجئے:۔

ا۔سرور 87-1786ء میں لکھنو میں پیدا ہوئے لکھنو ہی میں رائج الوقت تعلیم میں کمال حاصل کیا،خصوصاً فارسی میں اچھی واقفیت حاصل کی،مگر عربی سے کم،سرور کو شاعری سے بھی خاصی دل چسپی تھی،جس کی وجہ سے انھیں عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا،مگر کامیابی نثر میں ''فسانہ عجائب'' کی بدولت ملی،دستور کے مطابق علوم کے ساتھ ساتھ فنون میں بھی مہارت پیدا کی۔جس کی وجہ سے خوشنویسی اور موسیقی میں لگاؤ زیادہ ہوگیا۔

۲۔سرور کے معاشرے میں فن داستان گوئی کو عروج حاصل نہ تھا۔اسی لیے بطور خاص داستانی ادب سے ان کا شغف تھا،جس کا نتیجہ ''فسانہ عجائب'' کی شکل میں ہمارے سامنے نمودار ہے۔جس کی ایک ہمہ گیر اہمیت ہے۔

۳۔سرور کی شادی کسی مالدار گھرانے میں ہونے کی وجہ سے عیش وعشرت میں زندگی کٹتی رہی۔

۴۔1863ء میں سرور دہلی آنکھوں کی علاج کے لئے تشریف لے گئے،وہاں سے واپسی پر 1867ء میں دہلی میں انتقال کیا۔

13.5۔فرہنگ:۔

علم نجوم	ستاروں کا علم
علم ہندسہ	لکیروں، خطوط اور زاویوں کا علم
عملداری	حکومت
جاذبیت	حسن و خوبی، جذب کرنے کی قوت
شگفتہ	کھلا ہوا، پھولا ہوا
انفرادیت	منفرد ہونا
متحرک	حرکت کرنے والا

13.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔رجب علی بیگ سرور کی داستان نگاری کا تفصیلی جائزہ پیش کیجیے؟

سوال:۲:۔رجب علی بیگ سرور کی زبان و بیان کی خصوصیات پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

13.7۔مشقی سوالات :۔

سوال:رجب علی بیگ سرور کون تھے؟

سوال: رجب علی بیگ سرور کی مشہور داستان کون سی ہے؟

سوال: سرور کی داستان نگاری کی ایک نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

سوال: سرور کی زبان و بیان کی کیا خصوصیت ہے؟

13.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: رجب علی بیگ سرور اردو کے معروف ادیب اور ممتاز داستان نگار تھے۔

جواب: ان کی مشہور داستان فسانہ عجائب ہے جو اردو داستانوں میں نمایاں مقام رکھتی ہے۔

جواب: ان کی داستانوں میں دلچسپ واقعات اور دلکش کردار پیش کیے گئے ہیں۔

جواب: ان کی زبان شگفتہ، پر کشش اور محاورات و روزمرہ سے بھرپور ہے۔

جوابات:۔(۱۔صحیح،۲۔غلط،۳۔صحیح،۴۔غلط)

13.9۔امدادی کتب:۔

۱۔رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے	نیر مسعود رضوی
۲۔فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور	مرتب، رشید حسن خان
۳۔داستان کا فن	اطہر پرویز
۴۔فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ	سید ضمیر حسن دہلوی
۵۔رجب علی بیگ سرور، چند تحقیقی مباحث	حنیف نقوی

سبق نمبر:۱۴:۔فسانہ عجائب۔متن کی تدریس

(آغاز داستان سلطان فیروز بخت کی تا رہا ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے)

ساخت:۔

14.0 اغراض ومقاصد

14.1 تعارف

14.2 آغاز داستان اعجاز بیاں سلطان فیروز بخت کی، اور تلاش اُس کو وارث تاج وتخت کی۔خوش قسمتی سے حاجت کا بر آنا، گوہر درج درشہر یاری صدف تمنا سے پانا۔

14.3 رہا ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے، اور ملاقات ہوئی ملکہ مہرنگار صاحب حُسن و جمال سے۔ملکہ کی طبیعت کا لگاو، تازہ شمشیر الفت کا گھاو۔- باہم کی کی چھیڑ چھاڑ، بناو کا بگاڑ۔پھر ملکہ کے باپ سے ملنا، لوح لے کے چل نکلنا۔

14.4 عمومی جائزہ

14.5 فرہنگ

14.6 نمونہ امتحانی سوالات

14.7 مشقی سوالات

14.8 مشقی سوالات کے جوابات

14.9 امدادی کتب

14.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

فسانہ عجائب کے متن کی زبان اوراسلوب کی خصوصیات کو سمجھیں گے۔

فسانہ عجائب کے واقعات اور داستانی انداز سے واقفیت حاصل کریں گے۔

مرزا رجب علی بیگ سرور کے طرزِ بیان اور ادبی خصوصیات کو جانیں گے۔

داستانی ادب کی اہم خصوصیات اور اس کی دلکشی کو سمجھ سکیں گے۔

14.1۔تعارف:۔

فسانہ عجائب اردو داستانوی ادب کی ایک اہم تصنیف ہے جس کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور ہیں۔ یہ داستان اردو نثر کی ابتدائی اور نمایاں تخلیقات میں شمار ہوتی ہے۔ باغ و بہار کے بعد اردو میں داستان نگاری کی روایت کو آگے بڑھانے میں اس کتاب کا اہم کردار ہے۔اس میں داستانی انداز، حیرت انگیز واقعات اور تخیل کی فراوانی نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔فسانہ عجائب کی زبان و بیان میں فارسی رنگ نمایاں ہے۔ عبارت میں عربی و فارسی الفاظ کی کثرت، صنعتوں کا استعمال اور شعری اقتباسات کی شمولیت پائی جاتی ہے۔اس وجہ سے اس کی زبان ادبی شان اور وقار رکھتی ہے، اگرچہ بعض مقامات پر اس میں ثقالت اور پیچیدگی بھی محسوس ہوتی ہے۔سرور نے اپنی تحریر میں زبان کی دلکشی اور بیان کی رنگینی پر خاص توجہ دی ہے۔اس داستان میں مختلف عجیب و غریب واقعات، طلسماتی عناصر اور غیر معمولی کردار پیش کیے گئے ہیں۔ واقعات کی ترتیب اور منظر نگاری اس انداز سے کی گئی ہے کہ قاری کی دلچسپی برقرار رہتی ہے۔ باغات، محلات اور مختلف مقامات کی منظر کشی داستان کو مزید دلکش بنا دیتی ہے۔مجموعی طور پر فسانہ عجائب اردو داستانی ادب کی ایک اہم مثال ہے جس میں زبان و بیان کی رنگینی، تخیل کی وسعت اور داستانی روایت کی نمایاں خصوصیات ملتی ہیں۔اسی بنا پر اس تصنیف کو اردو نثر اور داستانی ادب میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

14.2۔آغاز داستان اعجاز بیاں سلطان فیروز بخت کی، اور تلاش اُس کو وارث تاج و تخت کی۔خوش قسمتی سے حاجت کا برآنا، گوہر درج درشہر یاری صدف تمنا سے پانا۔

آغاز داستان اعجاز بیاں سلطان فیروز بخت کی،

اور تلاش اُس کو وارث تاج وتخت کی۔خوش قسمتی

سے حاجت کا برآنا، گوہر درج درشہریاری صدف تمنا سے پانا۔

استاد:

مثل ہی سے نہ الفاظ تلازم سے یہ خالی ہے
ہر اک فقرہ کہانی کا گواہ بے مثالی ہے

لا اعلم:

یادگار زمانہ ہیں ہم لوگ
سُن رکھو تم فسانہ ہیں ہم لوگ

اقتباسات:۔

(۱) والی ملک وہاں کا شاہ گردوں وقار، پر تمکین، با افتخار، سکندر سے ہزار خادم، دارا سے لاکھ فرماں بردار، قباد شوکت وکاؤس حشم، مالک تاج وتخت، والا مرتبت، عالی مقام، شاہنشاہ فیروز بخت نام۔ موج بخشش سے اُس بحر جود وعطا کی، سائلان لب تشنہ سیراب۔ اور نائرہٗ غَضَب کے شعلے سے، دشمن بد باطن جگر سوختہ، بے تاب – دبدبہ داد دہی غلغلہ عدالت سے، دشمن دوست جانی – چور مسافر کے مال کا نگہبان؛ ڈکیتوں کو عہدہ پاسبانی۔ ملک وافر – سپاہ افزوں از قیاس۔خزانہ لا انتہا بے کراں۔ وزیر، امیر جاں فشاں۔ تاج بخش وباج ستاں۔محتاج اور فقیر کا شہر میں نام نہیں۔ دادفریاد، آہ ونالے سے کسی کو کام نہیں۔ رعیت راضی۔ سپاہ سرفروش، جاں نثار، شاداں۔ دشمن خائف۔شمع کا چور سر محفل لرزاں۔ اس نام سے یہ ننگ تھا کہ امیروں کا چور محل نہ ہونے پاتا تھا۔ دزدحنا کا رنگ نہ جمتا تھا، سردست ہاتھ باندھا جاتا تھا۔ آنکھ چرانے سے ہم چشم چشمک کرتے تھے۔

(۲) آخرش جناب باری میں تضرع وزاری اُس کی منظور ہوئی، لاولدی کی بدنامی دور ہوئی۔ ساٹھ برس کے سن میں، بڑھاپے کے دن میں گوہر آب دار، درشاہوار، صَدَف بَطْنِ بانوے خجستہ اطوار سے پیدا ہوا۔ چھوٹا بڑا اُس کی صورت کا شیدا ہوا۔ اُس روح افزا کا، فیروز بخت نے، جان عالم نام رکھا۔ شب روز پرورش سے کام رکھا۔ حُسن اللہ نے یہ عطا کیا کہ نیر اعظم چرخ چارم پر رعب جمال سے تھرایا۔ اور ماہ، با وجود داغ غلامی، تاب مشاہدہ نہ لایا۔ اُس نقش قدرت پر تصور مانی و بہزاد حیران اور صناعی آذر کی ایسے لعبت حقیقت کے روبہ رو پشیمان – کاسہ سر

سراسر شور جوانی زور شباب سے معمور- آنکھیں، جھپکانے والی دیدہ غزالان ختن کی، شراب عشق کے نشے سے چکنا چور- چہرے پر جلال شاہی، شوکت جہاں پناہی نمایاں۔ حسن درخشندہ کی تڑپ بہ از انجم و اختر تاباں مصحفیؔ:

اُسے دیکھ طفلی میں، کہتی تھی دا یہ

یہ لڑکا طرح دار پیدا ہوا ہے

(۳) جب اُس نگر پہنچے، جس کی چت میں گھر چھوڑے، تو لاب بہت ہو۔ درب، گہنے ہاتھ آئیں۔ دور سب کلکیس ہو جائیں۔ پر ایک ہتی، من کا کپٹی، استری پر دچت ہو، کھٹائی کرے۔ جھ پڑیں، نر ناری لڑیں۔ اور کچھ جل میں بھی ہل چل پڑے۔ پر یتی لوگ چھوٹ جائیں۔ نگر نگر کھوج میں پھر آئیں۔ سب بچھڑے مل جائیں۔ ماتا پتا کے ڈھگ آئیں۔ بڑا راج کرے۔ دیا دھرم کے کاج کرے۔ گستاں کی کرپا سے جان کی کھیر ہے۔ بڑی بڑی دھرتی کی سیر ہے۔

(۴) تحصیل علم و فضل میں شہرہ آفاق ہوا۔ جتنے فن سپہ گری ہیں، اُن کا مشاق۔ جمیع علوم، ہر فن میں طاق ہوا۔ جل جلالہ! باپ ویسا، بیٹا ایسا محبوب- محبت میں بسانِ یوسف و یعقوب علیہما السلام- جب وہ ہلال سپہر شہر یاری بہ فضل باری بدر کامل ہوا اور چودھواں برس بھر گیا، جوانوں میں شامل ہوا۔ بہ صلاح و صواب دید ارکان سلطنت و ترقی خواہان دولت شادی کی تجویز ہوئی۔ بہ تلاش بے شمار و تجسس بسیار ایک شہ زادی پری پیکر، خوب صورت نیک سیرت، حور نژاد گل اندام، سیمیں بر رشک سرو، غیرت شمشاد، ماہ طلعت نام، دودمان والا سے مقرر ہوئی۔ وہ جو آئین بادشاہی، طریق فرماں روائی ہے، اسی طرح اُس کے ساتھ اُس اختر تابندہ فلک شاہی کو ہمقراں کیا، نکاح پڑھوا دیا۔

(۵) جان عالم نے کہا: تم بھی کتنی عقل سے خالی، حمق سے بھری ہو! تم تو پری ہو۔ اور جانور کی بات پر اتنا آزردہ ہونا! گو گویا ہے، پھر طائر ہے، نادانی اس کی ظاہر ہے۔ میاں مٹھو کو ان باتوں کی تاب نہ آئی۔ آنکھ بدل کے روکھی صورت بنائی اور ٹیں سے بولا: خُداوند نعمت! جھوٹ جھوٹ ہے، سچ سچ ہے۔ ہمسر جس کا کوئی نہیں، وہ ذات وَحْدَہٗ لَاشَرِیکَ لَہٗ کی ہے۔ اُس کے سوا ایک سے ایک بہتر و برتر ہے۔ سب کو یہ خبر ہے فضلنا بعضکم علیٰ بعض۔ میں نے جھوٹ اور سچ دونوں سے بچ کر ایک کلمہ کہا تھا۔ اگر راستی پر ہوتا، گردن کج کیے سیدھا گور میں سوتا۔ یہ سن کے وہ اور مجوز ہوئی مثل مشہور ہے: راج ہٹ، تریا ہٹ، بالک ہٹ۔ جانِ عالم نے مجبور ہو کے کہا: جو ہو سو ہو، مٹھو پیارے! سچ کہ دو۔ توتے نے بہ منت عرض کی: دروغ مصلحت آمیز، بہ از راستی فتنہ انگیز۔ مجھے سچ نہ بلوایئے، میرا منہ نہ کھلوایئے۔ نہیں، انجام راستی حضور کے دشمنوں کو دشت نوردی، بادیہ پیمائی، غریب الوطنی، کوچہ گردی نصیب ہوگی۔

(٦) سنیے قبلہ عالم! یہاں سے برس دن کی راہ، شمال میں ایک ملک ہے عجائب زرنگار ایسا خطہ ہے کہ مُرقع خیالِ مانی و بہزاد میں نہ کھینچا ہوگا اور پیر دہقان فلک نے مزرعہ عالم میں نہ دیکھا ہوگا۔ شہر خوب- آبادی مرغوب- رنڈی، مرد حسین، طرح دار۔ مکان بلور کے بلکہ نور کے، جواہر نگار۔ عقل باریک بیں مشاہدے سے دنگ ہو۔ خلقت اس کثرت سے بستی ہے کہ اُس بستی میں وہم وفکر کو عرصہ تنگ ہو۔ خورشید ہر سحر اُس کے دروازے سے ضیا پاتا ہے۔ بدر کامل وہاں دو دن نہیں رہتا غیرت سے کاہیدہ ہو، ہلال نظر آتا ہے۔ وہاں کی شہزادی ہے انجمن آرا۔ اُس کا تو کیا کہنا! کہاں میری زباں میں طاقت اور دہاں میں طلاقت جو شمہ مذکور شکل وشمائل اس زہرہ جبیں، فخر لعبتان لندن وچین کا سُناؤں۔ اُستاد:

ایک میں کیا، خوب گر دیکھے اُسے حسن آفریں

اپنی صناعی پر حیراں خود وہ صورت گر رہے

(٦) توتا یہ حال دیکھ کر محجوب ہوا کہ ناحق، رنڈی کی کج بحثی سے، شہزادے کو مرگ کا مستعد کیا۔ بیٹھے بٹھائے خونِ بے گناہ اپنی گردن پر لیا۔ اب اس طرح کا سمجھانا، مانع ہونا: اُبھارنا، بھڑکانا، بلکہ نرا جلانا ہے گھبرا کر تسکین وتشفی کرنے لگا اور زخم شمشیر عشق کو مرہم مژدہ وصال سے بھرنے لگا۔ کہا: آپ ہوش وحواس بجا رکھیے۔ اگر مجھے ایسا سچا جانا کہ میرا جھوٹ، سچ مانا؛ اس شرط سے آپ کو لے چلوں گا: جو میرا کہا نہ مانو گے، زک اُٹھاؤ گے، دھوکا کھاؤ گے، پھر مجھ کو نہ پاؤ گے، پچھتاؤ گے۔ جانِ عالم نے فرمایا: اے رہ بر کامل، رنج کے غم گسار، راحت کے شامل! تیرے جادہ اطاعت سے ہرگز قدم باہر نہ دھروں گا۔ جو تو کہے گا، وہی کروں گا۔ مگر جلد حالِ مُفصّل اور بُعدِ مَنازِل وسمت شہرِ دوست سے نشانِ کامل دے؛ وگرنہ یہ دلِ بے تاب، خجلت دہ بے قراری سیماب، کہ قطرہ خوں سے فزوں نہیں، تڑپ کر، از راہ چشم نادیدہ روئے دوست نکل جائے گا۔ پھر بجز حسرت وافسوس تیرے کیا ہاتھ آئے گا۔ میرؔ:۔

دل تڑپتا ہے متصل میرا

مرغ بسمل ہے، یا کہ دل میرا

(٧) وہ تو فریفتہ قدیم تھی، ہنس کے چپ ہو رہی۔ پوچھا: آپ کہاں سے تشریف لائے ہیں؟ شہزادہ متحیر باغ کو دیکھ رہا تھا۔ جو پیڑ تھا، پر دار جانور کی صورت۔ پھول کھلے، پھل تیار، آپس میں سرگرم گفتار جس میوے پر رغبت ہو، اُس درخت کا جانور سامنے آ رقص کرے پھل بے ہاتھ لگائے مُنہ کے پاس آئے۔ جتنا اُسے کھاؤ، ثابت پاؤ۔ جب طبیعت سیر ہو، اسی درخت میں دیکھ لو۔ یہ حرکتیں اُس کی خواصیں شہ زادے کے دکھانے کو، در پردہ ڈرانے کو کرتی تھیں۔ اس قرینے سے جانِ عالم کو یقین ہوا کہ یہ سب جادو کا ڈھکوسلا ہے۔۔ پیر مرد سچ فرماتا تھا۔ افسوس، برے پھنسے!

(۸) ایک دن عالم تنہائی میں جانِ عالم کو یہ خیال آیا: اس نقش کی تعریف اُس نے بہت کی تھی، کھولو تو، شاید عقدہ کاربستہ کھلے۔ یہ سوچ کے اُسے کھولا۔ اُس کا یہ نقشہ تھا: بست در بست کا نقش، ہر خانے میں اسمائے الٰہی مع ترکیب و تاثیر تحریر تھے۔ دیکھتے دیکھتے خانہ مطلب میں نظر پڑی۔ لکھا تھا کہ کوئی شخص اگر کسی ساحر کی قید میں ہو؛ یہ اسم پڑھے، نجات پائے۔! یا مکان طلسم میں پھنسا ہو؛ اسے پڑھتا، جدھر چاہے چلا جائے۔ اور جو کوئی سحر کرتا ہو، اُس پر دم کر پھونک دے اُسی دم اس کی برکت ساحر کو پھونک دے۔

(۹) الغرض وہ سر پیٹتی رہیں۔ جانِ عالم نے بہ برکت آسمائے الٰہی اُس طلسم سے رہائی پائی، اپنی راہ لی۔ چند روز میں پھر اس حوض پر وارد ہوا۔ دیکھا اسپ وفادار پتھر سے سر مار مر گیا تھا۔ اُس کی لاش دیکھ کے دل پاش پاش ہوا، خوب رویا۔ اب اور رنج پیادہ پائی کا قدم بوس ہوا۔ پاؤں اٹھانا کالے کوس ہوا۔ سبحان اللہ! کہاں وہ شہزادہ پروردہ نعم و ناز، کہاں یہ پیادہ پائی کا سفر دور و دراز! ہر قدم خار، ہر گام آزار، مگر تصویر یار پیش نظر– ہر قطرہ اشک میں سوسوختِ جگر– آہ و نالہ در وہاں، یہ شعر ہر ساعت برزباں، ناسخ:۔

مانع صحرا نوردی، پاؤں کی ایذا نہیں

دل دُکھا دیتا ہے لیکن ٹوٹ جانا خار کا

14.3۔ رہا ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے، اور ملاقات ہوئی ملکہ مہر نگار صاحب حُسن و جمال سے۔ ملکہ کی طبیعت کا لگاو، تازہ شمشیر الفت کا گھاو۔- باہم کی کی چھیڑ چھاڑ، بناو کا بگاڑ۔ پھر ملکہ کے باپ سے ملنا، لوح لے کے چل نکلنا۔

رہا ہونا اس گرفتار دام سحر کا جادوگرنی کے جال سے،

اور ملاقات ہوئی ملکہ مہر نگار صاحب حُسن و جمال سے۔

ملکہ کی طبیعت کا لگاو، تازہ شمشیر الفت کا گھاو۔-

باہم کی کی چھیڑ چھاڑ، بناو کا بگاڑ۔ پھر ملکہ کے باپ سے ملنا، لوح لے کے چل نکلنا۔

کی فرشتوں کی راہ ابر نے بند

جو گنہ کیجئے ، ثواب ہے آج

(۱) ندیاں نالے چڑھے، دریا بڑھے۔ جھیلیں، تالاب کب ریز۔ ڈبرے موج خیز۔ پپیہے کا مستوں سے مخاطب ہونا، پی پی کہ کے آپی جان کھونا۔ کوئل کی کوکو اور تو تو سے کلیجا منہ کو آتا تھا۔ مور کا شور، برق کی چمک، رعد کی کڑک، ہوا کا زور زور رنگ دکھاتا تھا۔ شام کا وقت، غروب آفتاب کا عالم، جانوروں کا درختوں پر بیٹھنا باہم۔ زمین پر فرش زمردیں یکسر بچھا۔ جہاں تک نظر جاتی، دھان لہریں لے رہا۔ آسمان میں رنگا رنگ کی شفق پھولی، شام اودھ کی سیر بھولی۔ ایک سمت قوس قزح، جسے دھنک کہتے ہیں، بہ صد جلوہ و شان فلک پر نمایاں؛ سرخ، سبز، زرد، دھانی لکیریں عیاں۔ بُلبل کے چہچہے۔ درخت سر سبز لہلہے۔ کوسوں تک سبزہ زار، پھولوں کی بہار۔ کہیں ہرن چرتے، کہیں پرند سیر کرتے۔ کسی جا طاؤسان طناز سرگرم رقص ناز۔ لب ہر چشمہ آب مرغ آبی و سرخاب۔ کبھی نمود ہونا ماہ کا؛ چکور کا دوڑنا، بھرنا آہ کا۔ دونوں وقت ملتے۔ اس دید کی خراش سے دل پاش پاش، زخم جگر چھلتے۔ یہ سیر جو ہجر جاناں میں نظر سے گزر جائے؛ کیوں کر دل ٹکڑے ٹکڑے نہ ہو، چھاتی نہ بھر آئے۔ اُستاد:

کار اخگر کرتی ہے ہر بوند تن پر یار بن

کیا عجب، گر ہوں ہرے داغ جگر برسات میں

(۲) یہ صدا جو اہتمام سواری آگے آگے کرتی تھیں، اُن کے کان میں پڑی اور نگاہ جمال جانِ عالم سے لڑی؛ دفعتہً سب کی سب لڑکھڑا کر ٹھٹک گئیں۔ کچھ سکتے کے عالم میں سہم کر جھجک گئیں۔ کچھ بولیں: ان درختوں سے چاند نے کھیت کیا ہے۔ کوئی بولی: نہیں رہی! سورج چھپتا ہے۔ کسی نے کہا: غور سے دیکھ، ماہ ہے۔ ایک جھانک کے بولی: باللہ ہے مگر چودھویں کا چاند ہے۔ دوسری نے کہا: اس کے روبہ رو وہ بھی ماند ہے۔ ایک نے غمزے سے کہا: چاند نہیں تو تارا ہے۔ دوسری چٹکی لے کے بولی: اُچھال چھکا تو بڑی خام پارا ہے۔ ایک بولی: سرو ہے یا چمنِ حُسن کا شمشاد ہے۔ دوسری نے کہا: تیری جان کی قسم پرستان کا پری زاد ہے۔ کوئی بولی: غضب کا دل دار ہے۔ کسی نے کہا: دیوانیو! چپ رہو خدا جانے کیا اسرار ہے۔ ایک نے کہا: چلو نزدیک سے دیکھ، آنکھ سینک کے دل ٹھنڈا کریں۔ کوئی کھلاڑن کہ اُٹھی: دور رہو، ایسا نہ ہو اسی حسرت میں تمام عمر جل جل مریں۔ ایک نے خوب جھانک تاک کے کہا: خدا جانے تم سب کے دیدوں میں چربی کہاں کی چھا گئی ہے، کیا ہوا ہے! یہ تو بھلا چنگا، ہٹا کٹا مرد وا ہے۔

14.4۔ عمومی جائزہ:۔

فسانہ عجائب کے منتخب متن سے اس داستان کی نمایاں خصوصیات کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس میں داستانی طرزِ بیان، حیرت انگیز واقعات اور تخیل کی جھلک نمایاں نظر آتی ہے، جس سے داستانی روایت کی دلکشی سامنے آتی ہے۔ واقعات کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ تجسس اور دلچسپی پیدا ہوتی ہے۔ اس میں زبان و بیان کا ادبی رنگ بھی نمایاں ہے۔ عبارت میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے اور اسلوب میں

فصاحت و بلاغت نظر آتی ہے۔صنعتوں کے استعمال اور عبارت کی رنگینی سے بیان میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے، اگرچہ بعض مقامات پر زبان قدرے ثقیل بھی محسوس ہوتی ہے۔اس منتخب متن میں منظر نگاری اور ماحول کی تصویر کشی بھی دکھائی دیتی ہے، جس سے داستانی فضا واضح ہوتی ہے۔ اس طرح اس حصے کے مطالعے سے فسانہ عجائب کی داستانی روایت، زبان و بیان کی خصوصیات اور اسلوب کی نمایاں جھلک سامنے آتی ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے فسانہ عجائب کے متن کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 14.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

۱۔والی ملک وہاں کا شاہ گردوں وقار، پر تمکین، با افتخار، ۔۔۔۔۔۔سے ہزار خادم، دارا سے لاکھ فرماں بردار، قباد شوکت و کاؤس حشم، مالک تاج و تخت، والا مرتبت، عالی مقام، شاہنشاہ فیروز بخت نام۔

۲۔موج بخشش سے اُس بحر جود و عطا کی، سائلان لب ۔۔۔۔۔۔اور نائرۂ غضب کے شعلے سے، دشمن بد باطن جگر سوختہ، بے تاب۔ دبدبہ داد دہی غلغلہ عدالت سے، دشمن دوست جانی۔ چور مسافر کے مال کا نگہبان؛ ڈکیتوں کو عہدہ پاسبانی۔

۳۔ملک وافر۔ سپاہ افزوں ۔۔۔۔۔۔

14.5۔فرہنگ:۔

مغلوب	غالب ہونا
جاہ وحشم	عزت، اقتدار
عالم پناہ	بادشاہ، حکمران، سلطان
پاداش	صلہ، بدلہ، عوض

سلیقہ شعار	تمیزدار، خوش اسلوب
سرشار	لبریز، لبالب
متصف	تعریف کیا گیا
اقدار	قدروقیمت
رعایا	کسی حاکم کے زیرفرماں رہنے والے لوگ
معدوم	مٹایا گیا، عنقا
مسحور	سحرزدہ، جس پر جادو کیا گیا ہو
استقلال	قائم رہنا
شیوہ	روش عمل، طریق
فعالیت	قول عمل، سرگرمی
توہم پرستی	وہم پوجنے والا، خلاف عقل باتوں کو ماننے والا

14.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔فسانہ عجائب کے منتخب متن کی تشریح کیجیے اور اس کے اسلوبِ بیان کی وضاحت کیجیے؟

سوال:۲:۔دیے گئے اقتباس کی روشنی میں زبان و بیان کی خصوصیات بیان کیجیے؟

سوال:۳:۔منتخب متن کو پڑھ کر بتایئے کہ اس میں داستانی انداز کس طرح نمایاں ہوتا ہے؟

سوال:۳:۔اس اقتباس کی روشنی میں بیان کی دلکشی اور منظرنگاری کا جائزہ پیش کیجیے؟

14.7۔مشقی سوالات:۔

سوال:ا:۔فسانہ عجائب کس صنفِ ادب سے تعلق رکھتی ہے؟

سوال:۲:۔فسانہ عجائب کے مصنف کون ہیں؟

سوال:۳:۔فسانہ عجائب کی زبان میں کن زبانوں کے الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے؟

سوال:۴:۔فسانہ عجائب میں کس طرزِ بیان کی جھلک نمایاں ہے؟

____

____

____

____

____

____

14.8۔مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: فسانہ عجائب اردو کی داستانی ادب کی ایک اہم تصنیف ہے۔

جواب: فسانہ عجائب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور ہیں۔

جواب: اس کی زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش پائی جاتی ہے۔

جواب: اس میں داستانی طرزِ بیان کی جھلک نمایاں ہے۔

جوابات:۔(ا۔سکندر،۲۔تشنہ شراب،۳۔ازقیاس)

14.9۔امدادی کتب:۔

ا۔فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور مرتب، رشید حسن خان

۲۔داستان کا فن اطہر پرویز

سبق نمبر:۱۵:۔فسانہ عجائب کا تنقیدی جائزہ

ساخت:۔

15.0 اغراض ومقاصد
15.1 تعارف
15.2 فسانہ عجائب کا تنقیدی جائزہ
15.3 فسانہ عجائب کی داستانی خصوصیت
15.4 عمومی جائزہ
15.5 فرہنگ
15.6 نمونہ امتحانی سوالات
15.7 مشقی سوالات
15.8 مشقی سوالات کے جوابات
15.9 امدادی کتب

15.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس سبق میں آپ:۔

فسانہ عجائب کی داستانی خصوصیت اوراس کے انداز بیان کو سمجھیں گے۔

اس کی زبان میں فارسی اور عربی الفاظ کی آمیزش اور ادبی رنگ کو پہچانیں گے۔

عبارت میں فصاحت، بلاغت اور صنعتوں کے استعمال کو جانیں گے۔

حیرت انگیز واقعات اور تخیل کی اہمیت کو سمجھ سکیں گے۔

منظر نگاری اور ماحول کی تصویر کشی کا انداز سیکھیں گے۔

مرزا رجب علی بیگ سرور کے طرز نگارش اور ادبی خصوصیات سے آگاہ ہوں گے۔

داستانی ادب کی اہمیت اور اس کی دلکشی کو بہتر طور پر سمجھ سکے گے۔

15.1۔تعارف:۔

فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور کی ایک طبع زاد داستان ہے۔ یہ دبستان لکھنو کی ایک نمائندہ تصنیف ہے۔فسانہ عجائب کی مقبولیت کی تین بڑی وجوہ ہیں: اول یہ ایک مختصر داستان ہے۔ایجاز واختصار اس کا بڑا حسن ہے۔دوم، اس کی زبان و بیان کو ایک منفرد مقام حاصل ہے۔ سرور نے ایک نئے اسلوب کی تخلیق کی۔ایک نئی انشاء پردازی کا مظاہرہ کیا۔زبان کی تزئین وآرائش میں نئے نئے تجربے کیے۔سوم، اس داستان میں لکھنؤ کی تہذیب کی دلچسپ، موثر اور جیتی جاگتی تصویر پیش کی گئی ہے۔سرور کو خاص وعام کی تہذیب پر گہری نظر تھی۔ان کی دربار اودھ سے بھی وابستگی رہی اور عوامی زندگی سے بھی قریب رہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کے بیانیے میں شاہی وعوامی تہذیب یکساں طور پر نمایاں ہے۔فسانہ عجائب کے طبع زاد داستان ہونے کے باوجود اس میں قدیم داستانوں کے متعدد قصوں سے استفادہ کیا گیا ہے لیکن بیان کی جادوگری سے ہمہ وقت تازگی اور ندرت کا احساس قائم رہتا ہے۔سرور نے داستان کے پلاٹ کو انتہائی چابک دستی سے آراستہ کیا ہے اور داستان میں جذبات نگاری کا ایک اعلیٰ نمونہ پیش کیا ہے۔

15.2۔فسانہ عجائب کا تنقیدی جائزہ:۔

باغ و بہار کا جواب دینے کے ارادے سے رجب علی بیگ سرور نے ۱۹۲۴ء میں فسانہ عجائب لکھی۔تحسین کی نوطرز مرصع ان کے پیش نظر تھی۔ یہ قصہ فارسی چہار درویش کا پر تصنع اور پے چیدہ اردو ترجمہ ہے۔عبارت آرائی پر زور اور استعارہ وتشبیہ کی بھرمار ہے بابائے اردو مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ پر تصنع نثر وہ لکھتا ہے جو سیدھی سادی آسان نثر نہیں لکھ سکتا۔آج ہم باغ و بہار کو جدید اردو نثر کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں۔

لیکن سرور کے لکھنو میں زبان کی سادگی کو عجز بیان سمجھا جاتا تھا۔ رنگینی، عبارت آرائی، مشکل الفاظ کی بھرمار، قافیہ پیمائی، استعارہ وتشبیہ کی کثرت عرض ہنر مانی جاتی تھی۔ چنانچہ سرور نے یہی راستہ اختیار کیا۔ باغ و بہار کا جواب دینے کے لیے اسی اسلوب اور انداز بیان کی ضرورت تھی۔ میر امن نے در پردہ اہل لکھنو پر جو چوٹ کی تھی فسانہ عجائب کے دیباچے میں اس کا بدلہ بھی لے لیا گیا۔ سرور نے اپنے دیباچے میں میر امن کی زبان کا خوب مذاق اُڑایا ہے اور میر امن دہلی کی جس زبان کے بارے میں فخر یہ بات کی تھی اسے سرور نے دہلی کے روڑے کہہ کر مذاق اُڑایا ہے۔ نوطرز مرصع کی تقلید میں سرور نے فسانہ عجائب میں دقیق ورنگین عبارت آرائی کو اپنا مطمع نظر بنایا بعد میں قافیہ پیائی کا اس پر اضافہ کر دیا۔ سرور نے زبان کی آراستگی کا حد سے زیادہ اہتمام کیا۔ مقفی و مسجع عبارت لکھی۔ عربی وفارسی الفاظ کا کثرت سے استعمال کیا۔ استعارہ وتشبیہ سے بہت کام لیا۔ جا بجا اشعار پیش کیے۔ اور اکثر موقع پر رعایت لفظی، صنائع لفظی ومعنوی سے عبارت کو بالکل مصنوعی بنا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ فسانہ عجائب کی زبان بہت بوجھل ہوگئی اور بیشتر مقامات کو اس طرح لکھا ہے کہ اُن کا سمجھنا دشوار ہو گیا۔ نمونے کے طور پر اس کی چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

''عجب شہر گلزار ہے۔ ہر گلی کوچہ دلچسپ باغ و بہار ہے۔ ہر شخص اپنے طور پر باوضع قطع دار ہے۔ دورویہ بازار کس انداز کا ہے۔ ہر دوکان میں سرمایہ ناز و نیاز کا ہے۔''

ژولیدہ بیانی، پر پیچ طرز نگارش کے لیے چند سطریں ملاحظہ ہوں۔

''یہ تصور دل میں تھا کہ کارپردازان محکمہ ناکامی حاضر ہوئے اور مشاطہ حسن وعشق نے پیش قدمی کر متاع صبر وخرد ونقد دل وجان اثاثہ ہوش وحواس تاب وتواں ملکہ جگر افگار ارمغان رونمائی میں نذر شاہ زادہ والا تبار کیا۔''

اس زمانے کے لکھنو میں یہ انداز بیان ہر خاص وعام میں مقبول تھا۔ لوگ اسے شوق سے پڑھتے اور سنتے تھے۔ جس طرح مشاعروں میں شعروں پر داد دی جاتی ہے اسی طرح فسانہ عجائب کے جملوں پر واہ واہ کا غلغلہ بلند ہوتا تھا۔ مگر آج اس زبان کا پڑھنا اور سمجھنا مشکل ہے۔ سرور سہل زبان لکھنے پر قادر تھے مگر اسے کسر شان خیال کرتے تھے۔ فسانہ عجائب کے بعض جملے آسان اور دلکش زبان میں ہیں۔ مثلاً بندر کی تقریریں جس میں دنیا کی بے ثباتی کا بڑا پر اثر بیان ملتا ہے۔ یا چڑی مار کی گفتگو جو بالکل بول چال کی زبان میں ہے۔ جوتشیوں کی گفتگو میں ہندی الفاظ کی کثرت ہے۔ فسانہ عجائب اپنے زمانے میں ایک بے حد مقبول کتاب رہی ہے۔ لکھنو کے علاوہ دہلی بلکہ سارے شمالی ہندوستان میں نصف صدی سے زیادہ اس کی پیروی کی جاتی رہی ہے۔

15.3۔فسانہ عجائب کی داستانی خصوصیت:۔

ایک طلسمی داستان کی حیثیت سے فسانہ عجائب کو بہر حال ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔اس میں ہر طرف جن، دیو، پریاں، جادوگر اور جادوگرنیاں نظر آتی ہیں طلسمی باغ اور جادو کے لیے کسی بھول بھلیاں سے کم نہیں۔کوئی ان میں پھنس جائے تو کسی پیر فقیر کی دستگیری کے بنا رہائی نہ پاتے تھے۔بلاؤں میں گرفتار ہو جائے تو لوح سلیمانی یا اسم اعظم کے بنا نجات نہ ملے۔گویا جادو جا بجا نظر آتا ہے۔انسان کو جادو سے بندر، طوطا یا ہرن بنا دیا جاتا ہے۔کبھی انسان کا آدھا جسم پتھر کا ہو جاتا ہے۔یہ ساری چیزیں ایسی ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی ہے۔اسی لیے ان چیزوں کو فوق فطری عناصر کہا جاتا ہے۔اوران کے بغیر داستان وجود میں نہیں آسکتی ہے۔داستانوں کے عروج کا یہ وہ زمانہ تھا جب واقعات کو عقل اور سائنس کی کسوٹی پر نہیں پرکھا جاتا تھا۔لوگ جادوٹونے پر یقین رکھتے تھے۔دیووں اور پریوں کو انسانی تخیل کی پیداوار نہیں بلکہ اصلیت سمجھا جاتا تھا۔فسانہ عجائب کی مقبولیت کا راز صرف پر تکلف انداز بیان ہی نہیں بلکہ وہ طلسمی ماحول بھی ہے جسکی تفصیل اوپر پیش کی گئی ہے۔داستان در داستان فسانہ عجائب کی ایک اور خصوصیت ہے۔اس خصوصیت کے بغیر داستان، داستان کہلانے کی مستحق نہیں،طوالت داستان کے لیے ضروری ہے۔ قصے کو طول دینے کے لیے اس میں بہت سے ضمنی قصے جوڑ دیے جاتے تھے۔یہ تکنیک سرور نے بھی اختیار کی ہے۔شاہ یمن کا قصہ پسر مجسٹن کی کہانی اس کی مثالیں ہیں۔فسانہ عجائب بے شک سرور کے دماغ کی پیداوار ہے۔مگر ضمنی قصے اس زمانے کی مقبول داستانوں مثلاً داستان امیر حمزہ، مدماوت نل دمن، بہار دانش، گلشن نو بہار وغیرہ سے مستعار لیے گئے ہیں۔کردار نگاری کا سرور کے زمانے میں وہ تصور نہیں تھا جو ناول وافسانہ کے وجود میں آنے کے بعد عام ہوا۔داستان کے کردار بغیر غیبی امداد کے پنپ نہیں پاتے۔سرور نے کردار نگاری کی طرف توجہ تو کی مگر اس کمزوری نے فسانہ عجائب کے کرداروں کو اعلیٰ صفات سے محروم کیا۔اس داستان کے تین اہم کردار ہیں۔شہزادہ جان عالم، ملکہ مہر نگار اور انجمن آرا۔

جان عالم فسانہ عجائب کا ہیرو ہے۔اس کردار میں نشو ونما کے بہت امکانات تھے۔مگر سرور نے اسے مثالی بنانا چاہا جس کے سبب وہ انسانی صفات سے محروم ہو گیا۔سرور نے اسے ایسا خوب رو بنا کر پیش کیا ہے کہ خود مصنف کے الفاظ میں ''نیر اعظم چرخ چہارم پر اس کے رعب و جمال سے تھرایا۔اور ماہ کامل باوجود داغ غلامی تاب نہ لاتا'' جان عالم حسن ظاہری کے علاوہ حسن باطنی سے بھی مالا مال ہے۔کوئی خوبی ایسی نہیں جو اس میں موجود نہیں۔علم وفضل میں شہرہ آفاق ہے۔فن سپہ گری میں ہی نہیں سارے فنون میں طاق ہے۔لیکن قدم قدم پر یہ محسوس ہوتا ہے کہ غیبی امداد حاصل نہ ہو تو وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا۔بلکہ بعض اوقات رونے لگتا ہے۔قوت فیصلہ سے محروم ہے، کمزور ہے، عقل ودانش سے عاری ہے۔ملکہ مہر نگار اسے احمق ازلی کا خطاب دیتی ہے جو درست ہے۔ملکہ مہر نگار حسن اور ذہانت دونوں دولتوں سے مالا مال ہے۔وہ دوراندیش بھی ہے

معاملہ فہم بھی اور وفادار بھی۔ انجمن آرا کا کردار دلکش ہے مگر ملکہ مہر نگار کی طرح جانباز نہیں۔

لکھنوی معاشرت رجب علی بیگ سرور کا پسندیدہ موضوع ہے۔ اور فسانہ عجائب میں یہی ان کی توجہ کا مرکز ہے۔ لکھنو کی سیر کرانے کی غرض سے سرور نے اس کتاب پر ایک طویل دیباچہ لکھا اور دس سال تک برابر اسی میں اضافہ کرتے رہے۔ سرور کی آنکھوں سے سرور کے لکھنؤ کی سیر بھی کر لیں:

> ''دوکان میں انواع واقسام کے میوے قرینے سے چنے، روزمرہ محاورے ان کے دیکھے سنے، کبھی کوئی پکار اٹھی میاں ٹکے کو ڈھیر لگا دیا ہے۔ کوئی موزوں طبیعت یہ فقرہ سناتی مزہ انگور کا ہے رنگ تروں میں کسی طرف یہ صدا آتی گنڈیریاں ہیں پونڈے کی۔ ایک طرف تنبولی سرخ روئی سے یہ رمز وکنایہ کرتے، بولی ٹھولی میں چبا چبا کر ہر دم یہ دم بھرتے، مگھی کا منہ کالا، مہوبا گر کر ڈالا، عبیر ہے نہ گلال ہے، ادھی میں مکھڑا لال ہے۔ گلیوں میں گجردم یہ آواز آتی شیرمال ہے گھی کی اور دودھ کی۔ نہ مفلس کا دل اچاٹ ہے۔ ٹکوں کی چاٹ ہے۔ کیدھر ہیں لینے والے نمش کی فلسفیاں کھیر کے پیالے ہیں۔ کیا خوب بھنے بھر بھرے ہیں، چنے پر مل اور مرمرے ہیں۔''

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ فسانہ عجائب بحیثیت داستان کے مختلف خوبیوں سے پر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس داستان نے پچاس برس سے زیادہ اردو نثر پر حکمرانی کی اور آج بھی تاریخ کا حصہ ہے۔

15.4۔ عمومی جائزہ:۔

فسانہ عجائب اردو ادب کے اہم داستانی نمونوں میں شمار ہوتا ہے۔ باغ و بہار کے بعد یہ اردو میں فسانہ نگاری کی دوسری بڑی کوشش ہے۔ اس کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور ہیں۔ انہوں نے اس داستان میں فارسی اسلوب اور طرزِ بیان سے استفادہ کیا ہے، جس کے باعث اس کی زبان میں فارسی آمیزش اور فصاحت و بلاغت نمایاں نظر آتی ہے۔ اگرچہ یہ زبان عام فہم نہیں، تاہم اس میں ادبی شان اور وقار موجود ہے۔ سرور نے فسانہ عجائب میں زبان و بیان کی دلکشی پر خاص توجہ دی ہے۔ عبارت میں رنگینی، صنعتوں کا استعمال، عربی و فارسی الفاظ کی کثرت اور شعری اقتباسات کی شمولیت اس کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ اسلوبِ بیان میں فصاحت، شگفتگی اور تخیل کی فراوانی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے داستان میں دلکشی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس کے باوجود بعض مقامات پر عبارت کی پیچیدگی اور ثقیل الفاظ کی کثرت اسے مشکل بھی بنا دیتی ہے۔

فسانہ عجائب کی ایک اہم خصوصیت اس کا داستانوی انداز ہے۔اس میں واقعات، عجائبات، طلسماتی عناصر اور غیر معمولی کرداروں کی بھرمار ملتی ہے۔ داستان میں تخیل کی پرواز بہت وسیع ہے اور مختلف حیرت انگیز واقعات بیان کیے گئے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ کردار نگاری پر بھی توجہ دی گئی ہے اور کئی کرداروں کو نمایاں اوصاف کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔اس داستان میں سرور نے ماحول اور مناظر کی تصویر کشی بھی مؤثر انداز میں کی ہے۔ باغات، محلات، جنگلات اور مختلف مقامات کی منظر نگاری دلکش انداز میں سامنے آتی ہے۔اسی طرح بعض مقامات پر مکالمے اور واقعات داستان کو دلچسپ بناتے ہیں۔مجموعی طور پر فسانہ عجائب اردو داستانوی ادب کی ایک اہم اور منفرد تصنیف ہے۔اس میں داستان کی روایتی خصوصیات، رنگین زبان، تخیل کی وسعت اور بیان کی دلکشی نمایاں طور پر نظر آتی ہے، جس کی وجہ سے اسے اردو داستانی ادب میں خاص مقام حاصل ہے۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ وطالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے فسانہ عجائب کا تنقیدی جائزہ کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔

اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 15.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجیے:۔

ا۔باغ و بہار کا جواب دینے کے ارادے سے رجب علی بیگ سرور نے ۔۔۔۔۔میں فسانہ عجائب لکھی تحسین کی نوطرز مرصع ان کے پیش نظر تھی۔

۲۔یہ قصہ۔۔۔۔۔چہار درویش کا پر تصنع اور پے چیدہ اردو ترجمہ ہے۔

۳۔عبارت آرائی پر زور اور استعارہ وتشبیہ کی بھرمار ہے بابائے اردو مولوی عبدالحق کا کہنا ہے کہ پر تصنع۔۔۔۔وہ لکھتا ہے جو سیدھی سادی آسان نثر نہیں لکھ سکتا۔

۴۔آج ہم باغ و بہار کو۔۔۔۔اردو نثر کا سنگ بنیاد قرار دیتے ہیں۔

15.5۔فرہنگ:۔

فصاحت	خوش بیانی،خوش کلامی
ثقیل	بھاری،وزنی
مئوثر	اثر کرنے والا
تخیل	خیال کرنا،خیال میں لانا
مستحق	ضرورت مند
استعفادہ	فائدہ اٹھانا
کثرت	بہتات،کثیر ہونا
دقیق	مشکل،دشوار

15.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

سوال:ا:۔فسانہ عجائب کی زبان واسلوب کا تنقیدی جائزہ پیش کیجیے؟

سوال:۲:۔مرزا رجب علی بیگ سرور کی داستان نگاری کی خصوصیات بیان کیجیے۔

سوال:۳:۔فسانہ عجائب میں کردار نگاری اور واقعات نگاری کا جائزہ لیجیے۔

سوال:۴:۔فسانہ عجائب اردو داستانوی ادب میں کس اہمیت کی حامل ہے؟تفصیل سے بیان کیجیے۔

15.7۔مشقی سوالات:۔

سوال:ا: فسانہ عجائب کے مصنف کون ہیں؟

___

___

سوال:۲:۔فسانہ عجائب کی زبان کی ایک نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

سوال:۳:۔فسانہ عجائب میں کس چیز پر زیادہ توجہ دی گئی ہے؟

سوال:۴:۔فسانہ عجائب کس صنفِ ادب سے تعلق رکھتی ہے؟

15.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

جواب: فسانہ عجائب کے مصنف مرزا رجب علی بیگ سرور ہیں۔

جواب: اس کی زبان میں فارسی آمیزش اور ادبی رنگ نمایاں ہے۔

جواب: اس میں زبان و بیان کی دلکشی اور صنعتوں کے استعمال پر زیادہ توجہ دی گئی ہے۔

جواب: فسانہ عجائب اردو داستانوی ادب سے تعلق رکھتی ہے۔

جوابات:۔(۱۔۱۸۲۴ء،۲۔فارسی،۳۔نثر،۴۔جدید)

15.9۔ امدادی کتب:۔

رجب علی بیگ سرور: حیات اور کارنامے	نیر مسعود رضوی
فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور	مرتب، رشید حسن خان
داستان کا فن	اطہر پرویز
فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ	سید ضمیر حسن دہلوی
رجب علی بیگ سرور، چند تحقیقی مباحث	حنیف نقوی

سبق نمبر:۱۶:۔لکھنؤ کی داستان کی خصوصیت

ساخت:۔

16.0 اغراض ومقاصد
16.1 تعارف
16.2 لکھنؤ میں داستان کا آغاز وارتقاء
16.3 لکھنؤ کی داستان کی خصوصیت
16.4 عمومی جائزہ
16.5 فرہنگ
16.6 نمونہ امتحانی سوالات
16.7 مشقی سوالات
16.8 مشقی سوالات کے جوابات
16.9 امدادی کتب

16.0۔اغراض ومقاصد:۔

اس داستان میں آپ:۔

۔لکھنو کی داستان کی نمایاں خصوصیات کو سمجھ سکیں گے۔

۔لکھنو کی داستانوں کی زبان، اندازِ بیان اور طرزِ بیان سے واقف ہوں گے۔

۔داستان میں موجود تہذیبی اور معاشرتی پہلوؤں کو پہچان سکیں گے۔

۔لکھنو کی داستانی روایت کی ادبی اہمیت کو جان سکیں گے۔

داستان کے ذریعے تخیل اور دلچسپی کے عناصر کو سمجھ سکیں گے۔

16.1۔تعارف:۔

اردو ادب میں داستان نگاری کی ایک اہم اور دلکش روایت ملتی ہے۔خاص طور پر لکھنو میں داستان نگاری کو بڑی ترقی حاصل ہوئی۔ لکھنو اپنی تہذیب، شائستگی، نفاستِ زبان اور ادبی ذوق کی وجہ سے برصغیر کا ایک اہم ادبی مرکز رہا ہے۔ یہاں کے ادیبوں اور داستان گوؤں نے ایسی داستانیں تخلیق کیں جن میں تخیل کی وسعت، دلچسپ واقعات اور دلکش اندازِ بیان نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔لکھنو کی داستانوں میں عموماً بادشاہوں، شہزادوں، بہادروں، پریوں اور دیووں کے حیرت انگیز واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ان داستانوں کا مقصد صرف تفریح فراہم کرنا ہی نہیں ہوتا بلکہ ان کے ذریعے اخلاقی اور تہذیبی اقدار بھی پیش کی جاتی ہیں۔لکھنوی داستانوں کی زبان نہایت سلیس، شستہ اور دلکش ہوتی ہے جو قاری کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہے۔اس روایت میں کئی اہم داستانیں اور داستان گو سامنے آئے جنھوں نے اردو ادب کو قیمتی سرمایہ عطا کیا۔ان داستانوں میں واقعات کی رنگینی، کرداروں کی دلچسپی اور بیان کی دلکشی قاری کو ابتدا سے آخر تک اپنے ساتھ باندھے رکھتی ہے۔لکھنو کی داستانوں میں مقامی تہذیب و ثقافت کی جھلک بھی نمایاں طور پر دکھائی دیتی ہے۔لکھنو کی داستانیں اردو ادب کا ایک اہم حصہ ہیں۔ان میں تخیل، زبان کی خوبصورتی اور تہذیبی رنگ اس انداز سے ملتے ہیں کہ یہ داستانیں آج بھی ادب کے طالب علموں اور قارئین کے لیے یکساں طور پر دلچسپی کا باعث ہیں۔یہی وجہ ہے کہ لکھنو کی داستانی روایت اردو ادب میں خاص مقام رکھتی ہے۔

16.2۔لکھنؤ میں داستان کا آغاز وارتقاء:۔

اردو ادب میں داستان نگاری ایک قدیم اور دلکش صنفِ ادب ہے۔اس صنف نے مختلف ادوار میں ترقی کے مختلف مراحل طے کیے، لیکن لکھنو کو داستان نگاری کے ایک اہم مرکز کی حیثیت حاصل رہی ہے۔اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں جب لکھنو تہذیبی، ادبی اور ثقافتی اعتبار سے عروج پر تھا تو یہاں داستان نگاری کو بھی خاص فروغ ملا۔لکھنو کے ادیبوں نے داستان کو نہ صرف زندہ رکھا بلکہ اس میں نئے اسالیب اور

رنگ بھی شامل کیے۔اس دور کی داستانوں میں زبان کی لطافت، بیان کی دلکشی، تخیل کی وسعت اور تہذیبی رنگ نمایاں نظر آتے ہیں۔لکھنو میں داستان نگاری کا آغاز اس وقت ہوا جب دہلی کی سیاسی اور تہذیبی فضا کمزور پڑنے لگی اور بہت سے ادیب اور شعرا لکھنو منتقل ہو گئے۔ان ادیبوں نے یہاں آکر ادب کی مختلف اصناف کو فروغ دیا جن میں داستان نگاری بھی شامل تھی۔لکھنو میں داستانوں کو دربار اور عوام دونوں میں مقبولیت حاصل ہوئی۔داستان گو محفلوں میں بیٹھ کر داستانیں سناتے اور سامعین کو اپنے سحر میں مبتلا کر لیتے تھے۔لکھنو میں داستان نگاری کی روایت کو مختلف ادیبوں نے آگے بڑھایا اور اس صنف کو ایک نیا انداز عطا کیا۔یہاں لکھی جانے والی داستانوں میں تخیل کی رنگینی، زبان کی شائستگی اور بیان کی دلکشی نمایاں خصوصیات کے طور پر سامنے آئیں۔لکھنو میں داستان نگاری وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتی رہی۔ابتدا میں داستانیں زیادہ تر زبانی روایت کا حصہ تھیں، لیکن بعد میں انہیں تحریری شکل دی جانے لگی۔اس طرح داستانیں کتابی صورت میں محفوظ ہوگئیں اور ادب کا قیمتی سرمایہ بن گئیں۔لکھنو کے ادیبوں نے داستانوں میں نئے موضوعات اور اسالیب متعارف کروائے۔انہوں نے داستانوں میں معاشرتی زندگی، تہذیبی اقدار اور انسانی جذبات کو بھی شامل کیا۔اس طرح داستان نگاری محض تفریح کا ذریعہ نہیں رہی بلکہ اس میں ادبی اور تہذیبی شعور بھی شامل ہو گیا۔

لکھنو میں کئی اہم داستانیں لکھی گئیں جنہوں نے اردو ادب کو مالا مال کیا۔ان داستانوں کے مصنفین نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے اس صنف کو نئی بلندیوں تک پہنچایا۔انشا اللہ خان انشا لکھنو کے ایک ممتاز ادیب تھے۔انہوں نے کئی دلچسپ داستانیں تخلیق کیں جن میں 'سلکِ گوہر' اور 'رانی کیتکی کی کہانی' خاص طور پر مشہور ہیں۔ان کی تحریروں میں زبان کی سلاست اور اندازِ بیان کی خوبصورتی نمایاں ہے۔''رانی کیتکی کی کہانی'' کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ خالص ہندوی زبان میں لکھی گئی ایک منفرد داستان ہے۔'سلک گوہر' چھتیں صفحات کی مختصر داستان ہے یہ صنعت غیر منقوطہ میں ہے۔بے نقطہ کی قید کی وجہ سے اس داستان میں بے لطفی پیدا ہوگئی ہے پوری داستان کا پڑھنا دشوار ہو جاتا ہے۔داستان رانی کیتکی اور کنور اودے بھان انشا کی ذہانت کا نمونہ ہے۔ایک دن انشا کے دھیان میں یہ بات آئی کہ کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندوی چھٹ اور کسی بولی سے پٹ نہ ملے ...باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ نہ ہو۔'' کسی بزرگ نے کہہ دیا کہ یہ ممکن نہیں ہے۔اشتعال میں آکر انشا نے اپنا دعویٰ ثابت کر دکھایا۔اس کتاب کو اردو اور ہندی والے دونوں اپناتے ہیں۔لیکن یہ اردو کی تصنیف ہے کیوں کہ اس کے تمام مخطوطے اُردو رسم الخط میں ملتے ہیں۔انشا اردو کے ادیب تھے ہندی میں انہوں نے کوئی دوسری تصنیف نہیں کی۔یہ کنور اودے بھان اور رانی کیتکی کے عشق کی کہانی ہے۔کنور کے ماں باپ نے قاصد کے ذریعہ شادی کا پیغام بھیجا۔کیتکی کے باپ نے اسے منظور نہیں کیا۔کنور کے باپ نے حملہ کر دیا۔کیتکی کا باپ جگت پرکاش اپنے گرو مہندر گر جادوگر کی مدد سے کنور اودے بھان اور اس کے ماں باپ کو ہرن بنا دیتا ہے۔رانی کیتکی

پریشان ہوکر مہندر گر جادوگر کا دیا ہوا بھبھوت مل کر اودے بھان کو تلاش کر لیتی ہے۔ آخر میں دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔

''رانی کیتکی کی کہانی'' کے قصے کی کوئی اہمیت نہیں ہے مختصر سی داستان ہے۔ اس میں دیو، پری، جادوگر نہیں ہیں صرف ایک جوگی مہندر گر اور اس کے ساتھی ہیں جو فوق انسانی طاقتوں کے مالک ہیں۔ اس کہانی میں ہندی کی سادگی اور انشا کی فطری شوخی کا خوب صورت امتزاج ہے۔ انہوں نے ہندی کو بڑے حسن اور سلیقے سے استعمال کیا ہے، بول چال کی زبان میں وہ ایسی معنویت پیدا کرتے ہیں جو طویل بیانات میں ممکن نہیں۔ ڈاکٹر عبدالستار دلوی نے اس داستان کی زبان کا تجزیہ بڑی خوب صورتی سے کیا ہے۔ پروفیسر گیان چند جین اس کی زبان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''میر حسن نے بدر منیر کا فراق بہت کمال سے نظم کیا ہے۔ انشا سادگی اور شیرینی میں ان سے بھی کچھ بڑھ جاتے ہیں''۔ (اردو کی نثری داستانیں، ص:438)

انشا نے نئی نئی تشبیہوں اور استعاروں سے کام لیا ہے اور خوب صورت تراکیب بنائی ہیں۔ مکالمے بات چیت کے انداز میں ہیں۔ وہ کم سے کم الفاظ میں اپنی بات کہہ جاتے ہیں۔ رانی کا باپ کنور کا پیغام ٹھکرا دیتا ہے تو کنور کا باپ لڑائی کا اعلان کر دیتا ہے اس وقت رانی کہتی ہے۔

''یہ کیسی چاہت ہے جس میں لہو برسنے لگا''۔

انشا نے ایک جملے میں بھرپور معنویت کا اظہار کیا ہے، ایسی کئی مثالیں ہیں۔ کہیں کہیں انہوں نے مسلسل مسجع فقروں کے انبار لگا دیے ہیں جن سے تحریر کا توازن بگڑ جاتا ہے۔ رانی کیتکی کی کہانی ایسی داستان ہے جو ہر زمانے میں دلچسپی سے پڑھی جاتی رہی ہے اور پڑھی جاتی رہے گی۔ اسی طرح رجب علی بیگ سرور بھی لکھنو کے اہم داستان نگاروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کی مشہور داستان فسانہ عجائب اردو ادب کی معروف داستانوں میں شامل ہے۔ یہ داستان مسجع نثر میں لکھی گئی ہے جس میں زبان کی خوبصورتی اور بیان کی دلکشی نمایاں نظر آتی ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے شگوفہ محبت، گلزارِ سرور اور شبستانِ سرور جیسی داستانیں بھی لکھیں جو اپنی دلچسپ اور دلکش طرزِ بیان کی وجہ سے مقبول ہوئیں۔ مرزا رجب علی بیگ سرور اردو کے عظیم داستان نگار تھے۔ انہوں نے فسانہ عجائب (1240ھ) شگوفہ محبت (1272ھ) گلزار سرور (1272ھ) اور شبستان سرور (1279ھ) کے علاوہ شاہنامے کی فارسی تلخیص شمشیر خانی" کا اردو ترجمہ سرور سلطانی کے نام سے کیا۔ شگوفہ محبت میں مہر چند کھتری کی داستان قصہ ملک محمد وگیتی افروز کو اپنے انداز میں لکھا۔ ملا محمد رضی تبریزی ابن شفیع کی فارسی نثری داستان حدائق العشاق کا ترجمہ گلزار سرور ہے۔ اس کے دیباچے میں واجد علی شاہ کی معزولی اور لکھنو کی تباہی کا بیان ہے۔ ابتدا میں غالب کی تقریظ شامل ہے۔ یہ داستان تمثیل کے پیرائے میں

لکھی گئی ہے۔شبستان سرور الف لیلہ کا ترجمہ ہے اور وہی حکایات ہیں جو عبدالکریم کی الف لیلہ میں ہیں۔

فسانہ عجائب سرور اور شمالی ہند کی پہلی اہم طبع زاد داستان ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فسانہ عجائب تصنیف کرتے وقت سرور کی نظر میں اس وقت کے مشہور قصے تھے انہوں نے گلشن نو بہار، بہار دانش، پدماوت اور داستان امیر حمزہ سے استفادہ کیا۔فسانہ عجائب کا قصہ یہ ہے کہ قسمت آباد کا بادشاہ فیروز بخت ساٹھ برس کی عمر میں بھی لاولد تھا۔دعاؤں کے بعد اسے ایک لڑکا تولد ہوتا ہے جس کا نام جان عالم رکھا جاتا ہے۔نجومی بتاتے ہیں کہ پندرہویں برس میں شہزادے کو مشکلات سہنی پڑیں گی اور راج پاٹ چھوڑ کر دیس بدیس جائے گا۔چودہویں برس میں اس کی شادی ماہ طلعت سے کر دی جاتی ہے۔ایک روز شہزادہ بازار سے طوطا خرید لاتا ہے جو انسانوں کی طرح بولتا ہے۔طوطے کی زبانی انجمن آرا کے حسن کی تعریف سن کر شہزادہ اس کے عشق میں گرفتار ہو جاتا ہے اور وزیر زادے و طوطے کے ساتھ ملک زرنگار کے لیے روانہ ہو جاتا ہے جہاں انجمن آرا رہتی ہے۔شہزادہ ہرن پکڑنے کی خواہش میں طوطے اور وزیر زادے سے بچھڑ جاتا ہے اور طلسم میں گرفتار ہو جاتا ہے۔نقش سلیمانی کی مدد سے چھٹکارا پاتا ہے۔اس کی ملاقات مہر نگار سے ہوتی ہے۔جو اس سے عشق کرنے لگتی ہے۔کئی مصیبتوں سے گزر کر وہ ملک زرنگار پہنچتا ہے۔ایک ساحر سے انجمن آرا کو چھڑا لاتا ہے اور دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔واپسی میں وہ مہر نگار سے بھی نکاح کر لیتا ہے۔وزیر زادے کی سازش سے وہ مردہ بندر میں اپنی روح منتقل کرتا ہے۔وزیر زادہ اس کے بدن میں اپنی روح منتقل کر لیتا ہے۔مہر نگار اسے ہر مصیبت سے بچاتی ہے کئی مہمات سے گزر کر وہ واپس آتا ہے۔وزیر زادے کو سزا دی جاتی ہے۔

فسانہ عجائب کو لکھنو کی نمائندہ تصنیف کا درجہ حاصل ہوا۔اس کی وجہ تھی کہ دہلی اور لکھنو کی دبستانی بحث کے فروغ میں اس کا حصہ بہت نمایاں تھا۔سرور نے دیباچے میں میر امن اور دہلی دونوں کے خلاف جو کچھ بھی لکھا وہ اعلان جنگ سے کم نہ تھا:

> ''جیسا میر امن صاحب نے قصہ چار درویش کا باغ و بہار نام رکھ کے خار کھایا، بکھیڑا مچایا ہے کہ ہم لوگوں کے دہن حصے میں زبان آئی ہے مگر بہ نسبت مولف اول عطا حسین خاں کے سو جگہ منہ کی کھائی ہے لکھا تو ہے ہم دلی کے روڑے ہیں پر محاوروں کے ہاتھ پاؤں توڑے ہیں پتھر پڑیں ایسی سمجھ پر یہی خیال انسان کا خام ہوتا ہے''۔(فسانہ عجائب مرتبہ رشید حسن خاں، ص:30)

جعفر علی شیون نے طلسمِ حیرت جیسی داستان لکھی جو اپنی حیرت انگیز فضا اور طلسماتی واقعات کی وجہ سے مشہور ہوئی۔دراصل یہ داستان میر امن اور سرور کے معرکے کی آخری کڑی ہے۔

16.3۔لکھنؤ کی داستانوں کی خصوصیات:۔

لکھنو میں لکھی جانے والی داستانوں میں کئی نمایاں خصوصیات پائی جاتی ہیں جوانہیں اردو ادب میں منفرد مقام عطا کرتی ہیں۔سب سے پہلی خصوصیت تخیل کی وسعت ہے۔لکھنو کی داستانوں میں حیرت انگیز واقعات،طلسماتی دنیا، پریوں اور دیووں کے کردار اور غیر معمولی مہمات بیان کی جاتی ہیں جو قاری کوایک نئی دنیا میں لے جاتی ہیں۔

دوسری اہم خصوصیت زبان کی شائستگی اور دلکشی ہے۔لکھنو کی داستانوں میں شستہ اور سلیس اردو استعمال کی گئی ہے جس میں فارسی اور عربی الفاظ کا خوبصورت امتزاج ملتا ہے۔اس زبان میں ادبی لطافت اور بیان کی نفاست نمایاں ہوتی ہے۔

تیسری خصوصیت بیان کی دلکشی ہے۔لکھنو کے داستان نگار واقعات کواس انداز سے بیان کرتے ہیں کہ قاری کی دلچسپی ابتدا سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔

چوتھی خصوصیت تہذیبی رنگ ہے۔لکھنو کی داستانوں میں اس شہر کی تہذیب،آداب،لباس،رہن سہن اور معاشرتی زندگی کی جھلک بھی ملتی ہے۔اس طرح یہ داستانیں صرف تخیلی نہیں بلکہ تہذیبی دستاویز بھی بن جاتی ہیں۔

پانچویں خصوصیت مسجع نثر کا استعمال ہے۔بعض داستانوں میں مسجع نثر کا استعمال کیا گیا ہے جس سے عبارت میں موسیقیت اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

چھٹی خصوصیت کرداروں کی دلچسپی ہے۔ان داستانوں میں بادشاہ،شہزادے، بہادر سپاہی، جادوگر، پریاں اور دیو جیسے کردار شامل ہوتے ہیں جو داستان کو مزید دلچسپ بنا دیتے ہیں۔

16.4۔عمومی جائزہ:۔

لکھنو کی داستانی روایت اردو ادب کا ایک اہم اور قیمتی حصہ ہے۔ یہاں کے داستان نگاروں نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے داستان نگاری کو نئی جہتیں عطا کیں۔ان کی داستانوں میں تخیل کی رنگینی،زبان کی خوبصورتی اور تہذیبی رنگ نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔انشاللہ خان انشا،رجب علی بیگ سرور اور جعفر علی شیون جیسے ادیبوں نے اس صنف کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

مختصر یہ کہ لکھنو میں داستان نگاری نے نہ صرف اردو ادب کو مالا مال کیا بلکہ ایک ایسی ادبی روایت قائم کی جو آج بھی ادب کے طلبہ اور

قارئین کے لیے دلچسپی اور اہمیت رکھتی ہے۔لکھنو کی داستانیں اردو ادب کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھی جائیں گی۔

اپنی پیش رفت جانچیں:۔

عزیز طلبہ و طالبات! آیئے ایک لمحے کے لیے رکیں۔اب جبکہ آپ نے لکھنو کی داستان کی خصوصیت کو تفصیل سے پڑھ لیا ہے، تو نیچے دی گئی مشق کو حل کرنے کے لیے کچھ وقت نکالیے۔اپنے جوابات درست ہیں یا نہیں، یہ جانچنے کے لیے 16.8 حصہ سے رجوع کریں۔

خالی جگہوں کو پر کیجئے:۔

ا۔لکھنو میں کئی اہم داستانیں لکھی گئیں جنہوں نے۔۔۔۔۔۔کو مالا مال کیا۔

۲۔ان داستانوں کے مصنفین نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے ذریعے اس صنف کو نئی۔۔۔۔۔تک پہنچایا۔

۳۔انشااللہ خان انشالکھنو کے ایک ممتاز۔۔۔۔۔تھے۔

۴۔انہوں نے کئی دلچسپ داستانیں تخلیق کیں جن میں 'سلکِ گوہر' اور 'رانی کیتکی کی کہانی' خاص طور پر۔۔۔۔ ہیں۔ان کی تحریروں میں زبان کی سلاست اور اندازِ بیان کی خوبصورتی نمایاں ہے۔

۵۔''رانی کیتکی کی کہانی'' کو خاص اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ خالص ہندوی زبان میں لکھی گئی ایک منفرد۔۔۔۔۔۔ہے۔

16.5۔فرہنگ:۔

فوق البشر	انسان کامل
ثقیل	بھاری، مشکل
نیرنگی زمانہ	زمانے کا افسوس
شغف	رغبت، لگاؤ
توقیر	عزت، عظمت

معزول	منصب سے ہٹانا
عارضہ چشم	آنکھ کی بیماری
داعی اجل	موت کی دعوت
مصائب وآلام	بہت زیادہ پریشانیاں
ضعیف العمری	بڑھاپا
بے نیل ومرام	بغیر کسی آرزو یا خوشی کے
افتاں وخیزاں	بدحواسی کی حالت میں، گرتے پڑتے

16.6۔نمونہ امتحانی سوالات:۔

ا۔لکھنو میں داستان نگاری کے آغاز اور ارتقاء پر تفصیل سے روشنی ڈالیے؟

۲۔لکھنو میں لکھی جانے والی داستانوں کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے؟

۳۔لکھنو کے اہم داستان نگاروں کا تعارف پیش کیجیے اور ان کی نمایاں داستانوں کا ذکر کیجیے؟

۴۔رجب علی بیگ سرور کی داستان فسانہ عجائب کا تعارف اور اس کی ادبی اہمیت بیان کیجیے؟

۵۔لکھنو کی داستانوں میں زبان، بیان اور تہذیبی عناصر کی جھلک پر تفصیل سے بحث کریں؟

16.7۔مشقی سوالات

ا۔لکھنو میں داستان نگاری کو فروغ کیوں حاصل ہوا؟

____

____

____

____

۲۔رجب علی بیگ سرور کی مشہور داستان کا نام کیا ہے؟

۳۔انشااللہ خان انشا کی دو مشہور داستانوں کے نام لکھیے؟

۴۔لکھنو کی داستانوں کی ایک نمایاں خصوصیت کیا ہے؟

16.8۔ مشقی سوالات کے جوابات:۔

۱۔لکھنو کے ادبی اور تہذیبی ماحول کی وجہ سے یہاں داستان نگاری کو فروغ حاصل ہوا۔

۲۔رجب علی بیگ سرور کی مشہور داستان فسانہ عجائب ہے۔

۳۔انشااللہ خان انشا کی مشہور داستانیں سلکِ گوہر اور رانی کیتکی کی کہانی ہیں۔

۴۔لکھنو کی داستانوں کی ایک نمایاں خصوصیت زبان کی شائستگی اور دلکش اندازِ بیان ہے۔

جوابات:۔(۱۔اردو ادب،۲۔بلندیوں،۳۔ادیب،۴۔مشہور،۵۔داستان)

16.9۔امدادی کتب:۔

۱۔فسانہ عجائب، رجب علی بیگ سرور	مرتب، رشید حسن خان
۲۔داستان کا فن	اطہر پرویز
۳۔فسانہ عجائب کا تنقیدی مطالعہ	سید ضمیر حسن دہلوی
۴۔رجب علی بیگ سرور، چند تحقیقی مباحث	حنیف نقوی

Course Contributors and Content Editing:

Prof. Mohd. Reyaz Ahmad

Professor, Department of Urdu
University of Jammu

Content Editing:

Dr. Parshotam Paul Singh

Assistant professor in Urdu. CDOE, Jammu
CDOE, University of Jammu, Jammu 2025

Revision

Prof. Mohd. Reyaz Ahmad

Professor, Department of Urdu
University of Jammu

© Centre for Distance & online Education, University of Jammu, 2026

* All rights reserved. No part of this work may be reproduced in any form, by mimeograph or any other means, without permission in writing from the CDOE, University of Jammu.
* The script writer shall be responsible for the lesson/script submitted to the CDOE and any plagiarism shall be his/her entire responsibility.

Printed By : Classic Printers/ 2026/50

CENTRE FOR DISTANCE & ONLINE EDUCATION
UNIVERSITY OF JAMMU

SELF LEARNING MATERIAL

FOR

M.A. URDU

SEMESTER - II

SESSION - 2025 ON WARDS

SUBJECT: STUDY OF CLASSICAL FICTION — UNIT I-IV

COURSE CODE URD - 203 — LESSON: 1-16

PROF. (DR.) SHOHAB INAYAT MALIK
COORDINATOR P.G. URDU

DR. PARSHOTAM PAUL SINGH
TEACHER INCHARGE

http:/www.distanceeducationju.in

Printed and published on behalf of the centre for Distance & Online Education, University of Jammu by the Director, CDOE, University of Jammu.